افناء المحبوب

(پسندیدہ چیزوں کا راہ خدا میں خرچ کرنا کامل نیکی کے حصول کا ذریعہ ہے)

عنوانات	صفحہ	عنوان	صفحہ
طالب خیر	۵	حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا اپنی پسندیدہ چیز کو صدقہ کرنا	۲۲
انتخاب خیر میں اختلاف	۷	دونوں روایات میں تطبیق	۲۳
قصاص کی مختلف شکلیں	۷	انفاق میں عموم	۲۳
امورِ آخرت کے انکار کی وجہ	۸	علماء وطلباء کو نصیحت	۲۵
شریعت مطہرہ میں مجرم کی رعایت	۸	سالکین کو نصیحت	۲۵
جانوروں کے ذبح میں حکمت	۹	محبت کی اقسام	۲۵
انسان اور جانوروں میں فرق	۱۰	بعض سالکین کی غلطی	۲۶
دوزخ میں مسلمانوں کا حال	۱۲	قبض بسط سے افضل ہے	۲۷
حقیقی خیر اور اسکے حصول کا صحیح طریقہ	۱۳	جاہلانہ سوال	۲۸
عادت اللہ	۱۳	ذکر وعبادت کا فائدہ	۲۹
اللہ کی شانِ رحمت وغضب	۱۴		
قرآن کریم کے مضامین میں ترتیب	۱۵	احوال وکیفیات کا طالب نہ ہونا بھی	۳۰
حق تعالیٰ کی شانِ رحیمی	۱۵	انفاق محبوب ہے	
احکام میں حکمتیں تلاش نہ کرو	۱۷	کیفیات کے طالب کا دوسرا نقصان	۳۰
انبیاء علیہم السلام کا حال	۱۸	تسخیر کا عمل	۳۱
اہل اللہ پر غلبۂ خوف	۱۹	لطیفہ	۳۲
آیت کی تفسیر	۲۰	عمل تسخیر کا نقصان	۳۳
انفاق کی مختلف صورتیں	۲۱	حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حال	۳۳
کل مال صدقہ کرنے کی ممانعت	۲۱	صبر کا طریقہ اور فائدہ	۳۴

شہوات دنیا کی مثال	۳۵	انفاق فی سبیل اللہ ضروری ہے	۴۸
محبتِ مال مطلقاً بُری نہیں	۳۶	احب الاشیاء کے انفاق ہی پر حصول پر موقوف نہیں	۴۹
اشکال کا جواب	۳۶	بنیئے کا صدقہ	۵۰
مال کی محبت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل	۳۷	نذر کا ایک فائدہ	۵۰
حُبِ مال کی بعض حکمتیں	۳۸	شبہ کا جواب	۵۰
سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت	۳۹	اللہ کے نام پر گھٹیا چیز دینے کی تمثیل	۵۱
حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا دندان شکن جواب	۳۹	اپنی کمائی میں سے پاکیزہ چیز خیرات کرو	۵۲
اظہارِ عبدیت کے لئے مال جمع کرنا	۴۰	پرانے کپڑے، جوتے کو کس نیت سے خیرات کرے	۵۳
عبادات میں مطلوب درجہ	۴۲	آیت کی تفسیر	۵۴
خوفِ خدا کا مطلوب درجہ	۴۳	انفاق کے تین درجے	۵۵
توکّل کا مطلوب درجہ	۴۴		
واعظین کی غلط فہمی کا ازالہ	۴۴	تتمہ مضمون	۵۵
جاہل واعظوں کا حال	۴۵		
منہیات میں لوگوں کی کوتاہی	۴۶	مِنْ بیانیہ ہے یا تبعیضیہ	۵۵
لطیفہ	۴۶	خلاصہ وعظ	۵۶
شیخ محقق اور غیر محقق کے طریقۂ علاج میں فرق	۴۷		
مجاہدہ کی اہمیت وضرورت	۴۸		
شبہ کا جواب	۴۸		

وعظ

افناء المحبوب

(پسندیدہ چیزوں کا راہ خدا میں خرچ کرنا کامل نیکی کے حصول کا ذریعہ ہے)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ وعظ اپنے ہی مکان تھانہ بھون میں ۲۰ شوال ۱۳۴۶ھ کو تین گھنٹہ کرسی پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔

کانپور کے ایک تاجر حاجی دلدار خان صاحب کی درخواست پر حضرت نے یہ وعظ فرمایا۔

سامعین میں مرد حضرات کی تعداد تقریباً ۴۰ تھی پس پردہ عورتیں اس کے علاوہ تھیں۔

شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے قلمبند فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارک وسلم اما بعد:

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ ﴾(۱)

طالبِ خیر

یہ دو آیتیں ہیں جن کا مضمون واحد ہے ایک میں اصل مضمون مذکور ہے دوسری میں اس کا تابع مذکور ہے حاصل آیات کا یہ ہے کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتلائی ہے کہ خیر کامل کے حاصل کرنے کا طریق کیا ہے؟ اور یہ ایسی بات ہے جس کو سب چاہتے ہیں کیونکہ جس کو ذرا بھی عقل ہو بلکہ عقل بھی نہ ہو ذرا سا شعور(۲) ہو اور کچھ انسان ہی کی تخصیص نہیں (۳) بلکہ حیوانات بھی خیر کامل کے طالب ہیں کیونکہ جانوروں کو بھی بعض امور سے رغبت ہے اور بعض سے نفرت ہے

(۱) ”تم خیر کامل کو کبھی نہ حاصل کرسکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے اور جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں“ سورۂ اٰل عمران:۹۲ (۲) سمجھ (۳) خصوصیت نہیں۔

خواہ اعیان ہوں یا اعراض (۱) پس جہاں ان کو مرغوب (۲) کے ملنے کی توقع ہو وہاں بھاگ کر جاتے ہیں اور جہاں ضرب وقتل کا (۳) اندیشہ ہو وہاں سے بھاگ جاتے ہیں ہاں جو مخلوق بے شعور بے حس (۴) ہے جیسے جمادات و نباتات (۵) ان کو خیر کی طلب نہیں اگر واقع میں وہ بے شعور ہیں۔ اور اگر واقع میں ان کو شعور ہے مگر قلیل (۶) جیسا کہ بعض حکماء نباتات میں شعور کے قائل ہوئے ہیں مگر یوں کہتے ہیں کہ ان کو حیوانات سے کم شعور ہے (۷) تو اس قول پر ان کو خیر کی طلب تو ہوگی مگر قلیل ہوگی، بعض حکماء کہتے ہیں کہ نباتات میں شعور ہے کیونکہ بیلدار درخت کی بیل کو کسی رسی یا سیڑھی پر لگادو تو وہ سیدھی چلی جائیگی اسی طرح کوئی درخت سیدھا جارہا ہو اور اوپر کوئی آڑ ہو تو درخت اس تک پہنچنے سے پہلے ہی رستہ میں سے مڑ جاتا ہے ان آثار کو دیکھ کر وہ نباتات میں شعور کے قائل ہوئے ہیں اور صوفیاء کے نزدیک تو جمادات بھی ذی شعور ہیں اب ڈھیلا جو نیچے آتا ہے حکماء تو اس کو حرکت قسریہ (۸) کہتے ہیں اور صوفیاء اس کو اپنے اصول پر حرکت ارادیہ (۹) کہہ سکتے ہیں گو اس معنی کر ان کے نزدیک بھی یہ حرکت قسریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ پیدا کیا ہے۔

غرض جس مخلوق میں شعور ہے وہ خیر کا طالب ہے اب اگر تمام مخلوق ذی شعور ہے جیسا کہ صوفیاء قائل ہیں تو یوں کہنا چاہیئے کہ ساری مخلوق خیر کی طالب ہے۔ اور اگر بعض ذی شعور ہیں اور بعض غیر ذی شعور تو اکثر مخلوق خیر کی طالب ہے۔ اور تمام مخلوق سے ہم کو کیا مطلب اس تقریر سے یہ تو بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگیا کہ انسان میں تو ہر شخص خیر کا طالب ہے۔

---

(۱) اعیان وہ اشیاء جو قائم بالذات ہوں اور اعراض وہ اشیاء قائم بالذات نہ ہوں (۲) پسندیدہ چیز (۳) پٹنے اور قتل کا خطرہ ہو (۴) جس مخلوق میں احساس اور سمجھ نہ ہو (۵) پتھر اور پودے (۶) مگر کم (۷) جانوروں سے کم احساس ہے (۸) غیر اختیاری حرکت (۹) ارادی حرکت۔

انتخابِ خیر میں اختلاف

یہ اور بات ہے کہ خیر میں اختلاف ہو کہ ایک شخص ایک چیز کو خیر سمجھتا ہو دوسرا اس کو خیر نہ سمجھے چنانچہ بعض لوگ جو کنویں میں ڈوب کر مرجاتے ہیں وہ بھی خیر کے طالب ہیں کیونکہ وہ کسی سخت مصیبت یا پریشانی میں اس فعل کا ارتکاب کرتے ہیں ان کے نزدیک اس مصیبت کے ساتھ زندہ رہنے سے حیات کو منقطع کردینا سہل اور بہتر ہوتا ہے(۱) وہ اس کو خیر سمجھ کر ہی اختیار کرتے ہیں گو واقع میں شر ہے خواہ حالاً ہو یا مآلاً ہو(۲) اس لئے کہ ممکن ہے خودکشی اور غرق میں تکلیف زیادہ ہوتی ہو ممکن ہے پانی کے اندر ڈوبتے ہوئے جان ایسی گھٹتی ہو کہ اس کی تکلیف اس مصیبت سے بھی زیادہ ہو جس سے وہ بھاگنا چاہتا تھا چنانچہ بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ڈوبنے میں جان بہت دیر میں اور بڑی تکلیف سے نکلتی ہے۔

قِصاص کی مختلف شکلیں

آجکل متمدن اقوام نے قصاص بالسیف(۳) کی جگہ پھانسی تجویز کی ہے یہ بھی سخت موذی ہے(۴) کیونکہ اس میں زہوق روح(۵) کے لئے کوئی راستہ نہیں ہوتا اور قصاص بالسیف میں جان نکلنے کا راستہ ہوجاتا ہے پھانسی میں تڑپنے کی وجہ سے زبان باہر نکل آتی ہے اور صورت بگڑ جاتی ہے اور ان سے زیادہ متمدن اقوام نے ایک برقی کرسی تجویز کی ہے جس پر بیٹھتے ہی ایک سیکنڈ میں جان نکل جاتی ہے نہ معلوم اس میں کیسی کشش ہوگی اور روح پر کیا گذرتی ہوگی مگر چونکہ دیکھنے والے کو اس تکلیف کا احساس نہیں ہوتا اس لئے یوں سمجھتے ہیں کہ اس میں تکلیف نہیں اور قتل

(۱) زندگی ختم کردینا آسان اور بہتر ہے (۲) خواہ فی الحال یا آخرکار (۳) تلوار سے قتل کرنے کی بجائے پھانسی دینا (۴) باعث تکلیف ہے (۵) روح نکلنے کے لئے کوئی راستہ نہیں۔

میں لاش کے تڑپنے اور سر کے کٹنے اور خون بہنے کا منظر سامنے ہوتا ہے اس کو وحشی سزا سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، ہاں یوں کہو کہ تم نے اپنی رعایت کرلی کہ تمہارے سامنے بھیانک منظر نہ ہو اور اس سے قیاس کرلیا کہ جب ہمارے سامنے بھیانک منظر نہیں تو واقع میں بھی کچھ زیادہ تکلیف نہیں مگر یہ قیاس الغائب علی الشاہد ہے (۱)۔

امورِ آخرت کے انکار کی وجہ

اور یہی اصل ہے تمام معادیات کے انکار کی (۲) جو چیز نظر سے غائب ہے وہ ان کے نزدیک معدوم محض ہے (۳)۔ انہوں نے عدم مشاہدہ کو عدم اصلی کی دلیل بنالیا ہے (۴) حالانکہ امریکہ کا مشاہدہ پہلے ایک عرصہ تک نہ ہوا تھا تو کیا اس وقت وہ بھی معدوم اصلی تھا (۵) اور اس کا بطلان ظاہر ہے (۶) تو اب اس سوال کے کیا معنی کہ جنت و دوزخ اگر کوئی چیز ہے تو وہ ہم کو نظر کیوں نہیں آتی۔ تم کو نظر نہ آنے سے یہ کیونکر لازم آیا کہ وہ معدوم ہیں۔

شریعتِ مطہرہ میں مجرم کی رعایت

اسی طرح تم کو اگر پھانسی یا برقی کرسی کی سزا میں تکلیف کا منظر نظر نہیں آتا تو اس سے یہ کیونکر لازم آیا کہ مرنے والے کو بھی تکلیف زیادہ نہیں ہوئی دلیل عقلی کا مقتضٰی یہ ہے کہ قتل میں مرنے والے کو کم تکلیف ہوتی ہے اور ان مہذب سزاؤں میں زیادہ تکلیف ہوتی ہے کیونکہ موت نام ہے زہوق روح یعنی جان نکلنے کا اور جس طریق میں جان نکلنے کا راستہ پیدا کیا جائے یقیناً اس میں سہولت سے

(۱) یہ غیر موجود کو موجود پر قیاس کرنا ہے جو غلط ہے (۲) عذاب قبر، جنت و دوزخ وغیرہ کے انکار کی (۳) جو چیز نظر نہ آئے وہ گویا کہ ہے ہی نہیں (۴) کسی چیز کے دکھائی نہ دینے کو اس کے نہ ہونے کی دلیل بنالیا ہے (۵) تو کیا وہ اس وقت موجود ہی نہ تھا (۶) اس کا باطل ہونا ظاہر ہے۔

جان نکلے گی اور جن صورتوں میں گھونٹ کر یا دبا کر جان نکالی جائیگی اس میں سخت تکلیف سے جان نکلے گی گو دیر کم لگے، یہاں سے شریعت کی قدر ہوتی ہے کہ اس نے مجرم کے ساتھ بھی احسان کیا ہے اور اس کی آسانی کی رعایت کی ہے کہ تلوار سے قصاص کا امر کیا ہے رہا یہ کہ اس سے دیکھنے والوں کو وحشت ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس غرض کے لئے قصاص مشروع ہوا ہے یہ وحشت اس غرض کی تحصیل میں معین ہے یعنی زجر و تنبیہ کہ اس منظر کو دیکھ کر (۱) ہر شخص خائف ہوجائے اور جرائم پر اقدام کرنے سے رک جائے۔ اور جو صورتیں اہلِ تمدن نے تجویز کی ہیں ان سے دوسروں کو تو زجر و تنبیہ زیادہ نہیں ہوتی کیونکہ وحشت ناک منظر سامنے نہیں آتا البتہ مجرم کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور یہ سخت بے رحمی ہے جب ایک شخص کو جان ہی سے مارنا ہے تو اس کو راحت دے کر مارنا چاہیئے۔

جانوروں کے ذبح میں حکمت

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم عام فرمایا ہے: ((وَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقَتْلَةَ وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ)) (۲) جس میں قصاص کی بھی تخصیص نہیں بلکہ قتل کفار کو اور ذبح حیوانات کو بھی عام ہے پس شریعت نے ظالموں کی بھی رعایت کی ہے کہ ان کو بے رحمی اور بے دردی سے نہ مارا جائے اور دوسروں کی بھی رعایت کی ہے دوسروں کی رعایت قصاص میں یہ ہے ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (۳) کہ قصاص میں لوگوں کو جرائم سے زجر کامل ہوتا ہے (۴)۔ میرا رسالہ" ارشاد الھائم فی حقوق البھائم" مطالعہ کیا جائے تو

(۱) ڈانٹ ڈپٹ کی یہ صورت دیکھ کر (۲) "جب تم قتل کرو تو عمدگی کے ساتھ کرو اور جب ذبح کرو تو خوبی کے ساتھ ذبح کرو" (۳) "اے فہیم لوگو! قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ تم پرہیز رکھو گے" سورۂ بقرہ: ۱۷۹ (۴) مکمل تنبیہ۔

معلوم ہوگا کہ شریعت نے حیوانات کے حقوق کی کس درجہ رعایت کی تو جس شریعت نے تمام مخلوق کے ساتھ سہولت کی رعایت کی ہو اس کو گاؤ بتیا(۱) وغیرہ کا الزام دینا اور بے رحمی سے متہم کرنا کتنا صریح ظلم ہے واللہ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ سے زیادہ رحم کسی مذہب میں بھی نہیں ہے اور ذبح حیوان رحم کے خلاف نہیں بلکہ اُن کے حق میں اپنی موت مرنے سے مذبوح(۲) ہوکر مرنا بہتر ہے کیونکہ خود مرنے میں قتل و ذبح کی موت سے زیادہ تکلیف ہے۔

انسان اور جانوروں میں فرق

رہا یہ سوال کہ پھر انسان کو بھی ذبح کر دیا جایا کرے تاکہ آسانی سے مرجایا کرے، اس کا جواب یہ ہے کہ حالت یاس سے پہلے (۳) ذبح کرنا تو دیدہ و دانستہ قتل کرنا ہے اور حالت یاس کا پتہ نہیں چل سکتا کیونکہ بعض لوگ ایسے بھی دیکھے گئے ہیں کہ مرنے کے قریب ہوگئے تھے پھر اچھے ہوگئے اور یہ شبہ اگر حیوانات میں کیا جاوے کہ ان کی تو یاس کا بھی تو انتظار نہیں کیا جاتا، جواب یہ ہے کہ انسان اور بہائم میں فرق ہے وہ یہ کہ انسان کا تو ابقاء مقصود ہے کیونکہ خلق عالم سے مقصود وہی ہے اسی لئے ملائکہ کے موجود ہوتے ہوئے اس کو پیدا کیا گیا بلکہ تمام مخلوق کے موجود ہونے کے بعد اس کو پیدا کیا گیا کیونکہ نتیجہ اور مقصود تمام مقدمات کے بعد موجود ہوا کرتا ہے اس لئے انسان کے قتل و ذبح کی اجازت نہیں دی گئی ورنہ بہت لوگ ایسی حالت میں ذبح کر دیئے جائیں گے جس کے بعد ان کے تندرست ہوجانے کی امید تھی اور ذبح کرنے والوں کے نزدیک بھی یاس کی حالت تھی۔ اور جانور کا ابقاء مقصود نہیں اس لئے اس کے ذبح کی اجازت اس بناء پر دے دی گئی کہ ذبح

(۱) گائے کو ہلاک کرنے کا الزام دینا (۲) ذبح ہوکر مرنا (۳) مایوسی کی حالت سے پہلے۔

ہوجانے میں ان کو راحت ہے(۱) اور ذبح کے بعد ان کا گوشت وغیرہ بقائے انسان میں مفید ہے جس کا ابقا مطلوب ہے، اگر اس کو ذبح نہ کیا جائے اور یوں ہی مرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے تو مردہ ہوکر اس کے گوشت وغیرہ میں سمیت (۲) کا اثر پھیل جائے گا اور اسکا استعمال انسان کی صحت کے لئے مضر ہوگا تو بقائے انسان کا وسیلہ نہ بنے گا اور قصاص و جہاد میں چونکہ افناء بعض افراد بغرض ابقاء جمیع الناس متعین ہے (۳) اس لئے وہاں قتل انسان کی اجازت دی گئی مگر ساتھ ہی اس کی رعایت کی گئی کہ حتی الامکان سہولت کی صورت سے مارا جائے یعنی قصاص میں جو کہ قتل اختیاری ہے تلوار سے اور جہاد میں مثلہ وغیرہ کی ممانعت سے (۴) غرض خودکشی میں گو سخت تکلیف ہوتی ہو حالاً تو احتمالاً اور مآلاً باقتضاء وعید (۵) مگر جو شخص اس پر اقدام کرتا ہے وہ خیر ہی سمجھ کر کرتا ہے اور وہ تکلیف مآلاً عذاب ہے جہنم کا جو کہ بہت ہی سخت ہے مگر لوگ جو بے فکر ہیں اور خودکشی پر اقدام کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عذاب جہنم سے غافل ہیں اس کو سوچتے نہیں (اس وقت ایک صاحب حضرت مولانا کے چہرے کو برابر تک رہے تھے اس پر ان کو تنبیہ فرمائی کہ یہ خلاف ادب وتہذیب ہے اس سے دوسرے شخص کا دل تنگ ہوتا ہے بس کبھی کبھی دیکھو اور کبھی نگاہ نیچی رکھو، یہ کیا کہ باؤلوں کی طرح منہ تک رہے ہو معلوم ہوتا ہے کہ بیان بھی نہیں سمجھتے ورنہ یا تو حرکت اہتزاز یہ ہوتی اور یا استغراق ہوتا (۶) پھر طرفہ (۷) یہ کہ جو علماء نے لکھا ہے کہ عالم کے

---

(۱) رہا یہ سوال کہ اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ چونکہ انسان کا ابقاء مقصود ہے اس لئے اس کے حق میں راحت موت کی رعایت نہیں کی گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت مقدسہ نے انسان کی راحتِ موت کا دوسرا سامان بتلایا ہے۔ا۔ جہاد میں شہادت جس میں زہوق روح کی شہید کو تکلیف نہیں ہوتی ۔۲۔ موت کے وقت لاالہ الا اللّٰہ کی تلقین اور سورۂ یٰسین کی تلاوت فان ھما تاثیراً فی تسھیل النزع ۱۲ظفر احمد عثمانی ۔۳۔ تعلق مع اللہ کا غالب کرلینا اس حالت میں شدتِ نزع سے کلفت نہیں ہوتی ۱۲ اشرف علی۔(۲) زہر (۳) قصاص اور جہاد وغیرہ میں بعض لوگوں کا مرنا باقی سب لوگوں کی حیات کا باعث ہے (۴) ناک کان کاٹنے وغیرہ کی ممانعت ہے (۵) فی الحال تو شدت تکلیف کا احتمال ہے اور آخرت میں چونکہ خودکشی پر سخت سزا مذکور ہے۔ (۶) عادت یہ ہے کہ آدمی اگر مضمون کو سمجھ رہا ہوتا ہے تو اپنے سر کو ہلاتا رہتا ہے یعنی اس کو سمجھ آرہا ہے ورنہ استغراق ہے جس میں آدمی سر جھکائے بیٹھا ہوتا ہے اور خوب محو ہوکر بات کو سنتا ہے (۷) عجیب بات یہ ہے۔

چہرے کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے اس کا مطلب گھورنا اور تکنا نہیں ہے بلکہ یہی مراد ہے کہ کبھی کبھی اس کے چہرے کی طرف دیکھ لیا جائے اور اس طرح دیکھا جائے اس کو خبر بھی نہ ہو کہ کوئی مجھے تک رہا ہے کیونکہ اس سے اس کو تکلیف ہوگی دل پر گرانی ہوگی مگر لوگوں کو اس کا احساس ہی نہیں کہ دوسرے کو اس فعل سے گرانی کیونکر ہوتی ہو پھر ارشاد فرمایا کہ ۱۲ اظ) عذاب جہنم کا تحمل کوئی نہیں کرسکتا۔

دوزخ میں مسلمانوں کا حال

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جہنم میں مکث طویل کا ادنی درجہ سات ہزار برس ہے (۲) حضرت جہنم کے اندر تو سات دن بھی کوئی عذاب کا تحمل نہیں کرسکتا مگر میں مسلمانوں کو بشارت دیتا ہوں کہ ان کو عذاب جہنم کا احساس کفار سے بہت کم ہوگا جس کی حقیقت مُسلم کی ایک حدیث میں ان لفظوں سے بیان کی گئی ہے: ((اَمَاتَهُمُ اللّٰهُ فِيهَا اِمَاتَةً)) کہ حق تعالیٰ ان کو جہنم میں ایک قسم کی موت دیدیں گے۔ حدیث میں تو اتنا ہی ہے۔ شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ مومنین کو جہنم میں ایک مدت کے لئے ہلکی سی نیند آجائے گی۔ حدیث ((النوم اخوالموت))(۲) سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ نیز اس لئے بھی کہ ((اَمَاتَهُمُ اللّٰهُ فِيهَا اِمَاتَةً)) کا سیاق کلام بتلا رہا ہے کہ حقیقی موت تو مراد نہیں ورنہ ((اماتة)) بڑھانے کی ضرورت نہ ہوتی صرف ((اماتهم)) کافی تھا یہ طرز کلام بتلا رہا ہے کہ خاص قسم کی مراد ہے جو موت کے مشابہ ہے حقیقی موت مراد نہیں واللہ اعلم۔

شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد یہ بھی فرمایا ہے کہ اس نیند کی حالت میں وہ یوں خواب دیکھے گا کہ میں جنت میں ہوں اور خود ان کے پاس ہوں۔ یہ بات کہنے کی تو نہ تھی کہیں مسلمان بے فکر نہ ہوجائیں کہ بس جہنم میں جاکر مزے سے سوئیں گے! جی ہاں کبھی جاگو گے تو ہو ہی نہیں اگر تھوڑی دیر کو بھی جاگ گئے تو نانی یاد آجائے گی۔

(۱) دوزخ میں طویل مدت ٹھہرنے کی جو کم از کم مقدار ہے وہ سات ہزار سال ہیں (۲) نیند موت کا بھائی ہے۔

حقیقی خیر اور اس کے حصول کا صحیح طریقہ

غرض کہ یہ انجام ہے خودکشی کا مگر اس کو انسان سوچتا نہیں ہے اس لئے خودکشی کو حالتِ موجودہ سے بہتر سمجھ کر اختیار کرتا ہے پس ہر شخص اپنے نزدیک خیر ہی کا طالب ہے۔ اب اس میں اختلاف رہا کہ صحیح طریقہ اس خیر کے حاصل کرنے کا کیا ہے اور حقیقی خیر کیا ہے؟ اور جو صحیح طریقہ ہوگا وہ یقیناً خیر حقیقی کی طرف موصل (۱) ہوگا ورنہ وہ طریق صحیح نہ ہوگا بلکہ غلط ہوگا سو حق تعالیٰ اس آیت میں خیر کی تحصیل کا صحیح طریقہ بتلاتے ہیں۔ اور اس کا ربط اوپر کی آیات سے یہ ہے کہ اوپر کفار کا ذکر ہے کہ وہ قیامت میں زمین کے برابر بھی سونا دے کر عذاب سے چھوٹنا چاہیں تو نہیں چھوٹ سکیں گے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِافْتَدٰی بِہٖ ط اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَالَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ﴾ (۲)

اس میں تو یہ بتلایا گیا ہے کہ کفار کو ان مال سے کچھ نفع نہ ہوگا اب اس کے مقابل مسلمانوں کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کو اپنے اموال سے نفع حاصل ہوگا وہ یہ کہ مسلمانوں کو انفاق مال سے خیر کامل حاصل ہوگی مگر اس کے لئے کچھ شرائط ہیں جنکا ذکر اس آیت میں ہے مگر میں ان کو بعد میں بیان کروں گا۔

عادت اللہ

غرض حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ کفار کے ذکر کے ساتھ مسلمانوں کا ذکر فرماتے ہیں اور بالعکس اور اسی معاملہ کے متعلق ذکر ہوتا ہے جس کے متعلق کفار کا

(۱) پہنچانے والا (۲) ''بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور وہ مر بھی گئے حالت ہی میں سو ان میں سے کسی کا زمین بھر سونا بھی نہیں لیا جائیگا اگر چہ وہ معاوضہ میں اسکا دینا بھی چاہے اُن کے لئے دردناک سزا ہوگی اور انکا کوئی حامی بھی نہ ہوگا'' سورۂ ال عمران: ۹۱۔

ذکر تھا اور ایک کے ساتھ قہر کا خطاب اور عین اسی موقع پر دوسرے کے ساتھ لطف کا خطاب فرماتے ہیں اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ کلام حق تعالیٰ کا ہے کیونکہ عدم تغیر وعدم تاثر خاصہ واجب کا ہے (۱) واجب تعالیٰ کسی سے متاثر نہیں ہوتا باقی سب مخلوق متاثر ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص دشمن پر غصہ ہو رہا ہو تو اس حالت غضب میں اگر دوست آجائے تو اس کے ساتھ بھی گفتگو میں غصہ کا اثر باقی رہتا ہے گو طرز ہی میں ہو۔

اللہ کی شان رحمت وغضب

اور حق تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ قرآن میں کفار پر لتاڑ ڈال رہے ہیں اور نہایت شدت کے ساتھ ان پر غضب کا اظہار فرمارہے ہیں پھر اس کے ساتھ ہی مومنین کا ذکر ہے تو غایت لطف وعنایت کے ساتھ ان کو خطاب کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ میں تغیر و تاثر اصلاً نہیں ہے۔ اسی لئے محققین نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ پر غضب ورحمت کا اطلاق باعتبار مبادی کے نہیں ہے بلکہ غایات کے اعتبار سے ہے چنانچہ غضب کی غایت ہے نافرمان کو اپنے مقام قرب سے دور کردینا (۲) اس پر لعنت و نفریں کرنا اس کو سزا دینا، اور رحمت کی غایت ہے مطیع کو مقرب بنالینا (۳) اس کی مدح وثنا کرنا اعلیٰ خطابات سے مشرف وممتاز کرنا اور اس پر انعام وفضل کرنا وغیرہ وغیرہ تو ان غایات کے اعتبار سے حق تعالیٰ پر غضب ورحمت کا اطلاق کیا جاتا ہے نہ اس معنی کر کہ حق تعالیٰ کو غصہ میں جوش ہوتا ہے یا رحمت کے وقت اس پر رقت ہوتی ہے ہرگز نہیں، بلکہ حق تعالیٰ کا غضب ورحمت سب ارادی ہیں اضطراری نہیں (۴) (یعنی تعلق فعل غضب ورحم اختیاری ہے یہ مطلب نہیں کہ غضب ورحم بمرتبہ صفت

---

(۱) حالت غصہ میں اس سے متأثر نہ ہونا اور حالت فرح میں اس سے متأثر نہ ہونا یہ واجب الوجود کا خاصہ ہے

(۲) غضب کا مقصد ہے نافرمان کو اپنے سے دور کرنا (۳) رحمت کا مقصد فرمانبردار کو مقام قرب عطا کرنا

(۴) اختیاری ہے غیر اختیاری نہیں۔

بھی اختیاری ہے کیونکہ ہر صفت واجب درجۂ صفت میں غیر اختیاری ہے ۱۲ظ) اور یہاں سے معلوم ہوگیا کہ شعراء نے جو حضور ﷺ کو حق تعالیٰ کا محبوب بایں معنی بنایا ہے کہ نعوذ باللہ گویا حضور ﷺ کو دلہن وغیرہ کی طرح معشوق بنایا ہے۔ اور حق تعالیٰ کو عاشق قرار دیا ہے گویا اللہ تعالیٰ کو جوش محبت ہے یہ سخت غلطی اور گستاخی ہے اللہ تعالیٰ کو جوش محبت نہیں ہوتا نہ جوش غضب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے لئے جوش ہونا نقص ہے ہاں حضور ﷺ کے لئے یہ کمال ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا جوش ہو۔

قرآن کریم کے مضامین میں ترتیب

غرض اللہ تعالیٰ کفار کے ذکر کے ساتھ ہی مسلمانوں کو تسلی دیتے ہیں کہ تم اس وعید سے بے فکر رہو تمہارا انفاق مال بیکار نہیں بلکہ بہت کارآمد ہے اور اسکی ضرورت اس لئے ہے کہ بعض دفعہ دشمن اور مجرم پر عتاب ہوتا ہوا دیکھ کر دوستوں کو بھی خطرہ ہونے لگتا ہے کہ کہیں ہم پر عتاب نہ ہونے لگے اور اس کا زیادہ احساس حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہوتا تھا اور ان سے بڑھ کر حضرات انبیاء علیہم السلام کو اور ہم کو اس کا احساس اس لئے کم ہوتا ہے کہ اول تو ہم کو اپنے اعمال پر ناز ہے کہ ہم تو مسلمان ہیں نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں تلاوت قرآن کرتے رہتے ہیں ذکر و شغل کرتے ہیں ہم پر عتاب کیوں ہونے لگا۔

حق تعالیٰ کی شانِ رحیمی

دوسرے ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی شانِ استغناء سے غافل ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام باوجود معصوم ہونے کے لرزتے کانپتے رہتے تھے۔ اور شانِ استغناء کے یہ معنی نہیں کہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کو رحم نہیں جیسا جوان موت کے موقع پر لوگ جمع ہوکر

کہا کرتے ہیں کہ ہائے کیسا جوان تھا ابھی دنیا کو کچھ بھی نہ دیکھا تھا ابھی چار دن ہوئے شادی ہوئی تھی چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں یہ سب باتیں سن کر ایک بوجھ بجھکڑ(۱) کہتے ہیں کہ میاں خدا کی شان بڑی بے پرواہ ہے اس موقع پر یہ کلمہ سخت گستاخی کا ہے جس کے صاف یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ کسی کی مصلحت کی ذرا پرواہ نہیں نہ کسی پر رحم ہے حالانکہ بخدا حق تعالیٰ سے زیادہ بندہ کی مصالح کی رعایت کوئی نہیں کرسکتا خود بندہ بھی اپنی مصالح کی اتنی رعایت نہیں کرسکتا جتنی اللہ تعالیٰ اس کے مصالح کی رعایت فرماتے ہیں مگر یہ کہ وہ تم کو بھی بتلادیں اس کی کیا ضرورت ہے اور اجمالاً بتلا بھی دیا ہے: ﴿عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔـا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔـا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾ (۲) ’’یعنی ممکن ہے کہ تم کسی چیز سے کراہت کرو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز سے رغبت کرو اور وہ تمہارے لئے مضر ہو‘‘ یہ حقیقت میں منع ہے جس میں احتمال کلی کافی ہے ہر ہر جزئی کے متعلق تعیین کے ساتھ مصالح ومضار(۳) کا بتلانا بائع کے ذمہ نہیں اور نہ اس کی اللہ تعالیٰ کو ضرورت ہے کیونکہ وہاں شخصی حکومت ہے جمہوری حکومت نہیں ہے کہ بادشاہ کو دورائے سے زیادہ کا اختیار نہیں ہوتا، اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ شخصی حکومت میں تخلُّق باخلاق اللہ ہے(۴) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکومت بھی شخصی ہے۔ صاحبو! باپ بیٹے کو نصیحت کرتا ہے اگر وہ باپ کی نصیحت میں شبہ کرنے لگے تو وہ ایک دھول(۵) لگاتا ہے جواب میں دلائل سے اپنے قول کو مدلل نہیں کرتا تو کیا خدا کو اتنا حق بھی نہ ہو۔

---

(۱) اپنے آپ کو دانا/عقلمند سمجھنے والا (۲) سورۂ بقرہ:۲۱۶ (۳) مصلحتوں اور نقصانات (۴) اللہ کے خُلق کو اختیار کرنا ہے(۵) تھپڑ۔

احکام میں حکمتیں تلاش نہ کرو

ہاں کبھی خود چاہیں تو اپنے افعال کی حکمتیں کسی موقع پر بیان بھی فرما دیتے ہیں اور کبھی خواص کو ان اسرار کا الہام ہو جاتا ہے مگر یہ کب ہوتا ہے۔ جبکہ اسرار کی طلب نہ ہو کیونکہ طالب اسرار کو کشف اسرار میسر نہیں ہوتا۔ جنت و نماز روزہ کا طلب کرنا تو مطلوب ہے مگر اسرار و حِکَم کا طلب کرنا ممنوع ہے عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

حدیث مطرب و می گو دراز دہر کمتر جو　　　　که کس نکشود ونکشاید بحکمت ایں معمارا(۱)

ہاں مجذوبین کچھ اسرار بیان کر دیتے ہیں مگر وہ اسرار ہی کیا ہیں صرف کونیہ ہوتے ہیں جو تکوین کے متعلق ہوتے ہیں کہ فلاں دن بارش ہوگی، فلاں سن میں جنگ ہوگی، ایک بادشاہ معزول ہوگا، فلاں شخص مقدمہ میں کامیاب ہوگا وغیرہ وغیرہ باقی اسرارِ الٰہیہ کی ان کو کیا خبر کچھ نہیں لوگ خوامخواہ ان کے پیچھے پھرتے ہیں۔ یہ بھی ایک مطلب ہوسکتا ہے عارف رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کا ؎

رازِ درونِ پردہ زرندانِ مست پرس　　　　کیں حال نیست صوفیِ عالی مقام را

کہ اسرارِ کونیہ کو مجذوبوں سے پوچھو صوفیاء عالی مقام کو اس کی خبر نہیں اس میں یہ بھی بتلا دیا کہ یہ اسرار کچھ قیمتی نہیں ورنہ بڑے لوگوں کے پاس ضرور ہوتے۔ غرض طلب اسرار ممنوع ہے اور بلا طلب بھی مقصود نہیں اسی لئے حق تعالیٰ نے بیان نہیں فرمائے ہاں اجمالا اتنا فرما دیا ہے کہ: ﴿عَسٰٓی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ﴾ تو اللہ تعالیٰ سے زیادہ بندہ کے مصالح کی رعایت کوئی نہیں کرسکتا مگر ان کو بتلانے کی ضرورت نہیں۔

---

(۱) احکامات بیان کرو اور ان کی حکمتیں نہ تلاش کرو کیونکہ ان کی حکمتوں کے معموں کو کوئی حل نہیں کر سکا۔

انبیاء علیہم السلام کا حال

پس حق تعالیٰ کے استغناء کے یہ معنی نہیں کہ ان میں رحم نہیں بلکہ یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج اور کسی سے عاجز نہیں اسی قدرت وعدم احتیاج پر نظر کر کے انبیاء علیہم السلام ہر وقت لرزاں وترساں (۱) رہتے ہیں خصوصاً جس وقت کسی پر عتاب ہوتا ہے۔ خواہ کفار ہی پر ہو اس وقت تجلی جلال کا مشاہدہ کر کے وہ بہت لرزنے لگتے ہیں کہ خدا خیر کرے کہیں ہم پر بھی عتاب نہ ہونے لگے کیونکہ اول تو اس وقت تجلی جلال کا مشاہدہ ان پر ایسا غالب ہوتا ہے کہ اپنی معصومیت ومقبولیت پر نظر نہیں رہتی ؎

چو سلطانِ عزت علم برکشد　　جہاں سر بہ جیب عدم درکشد (۲)

اور نظر بھی ہو تو اس وقت شانِ استغناء ان کے پیش نظر ہوتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو منسوخ کر دیں اور اس پر یقیناً وہ قادر ہیں تو ان کو روکنے والا کون ہے؟ دوسرے ان کو یہ احتمال بعید بھی ہوسکتا ہے کہ شاید یہ وعدۂ رحمت کسی خاص شرط کے ساتھ مشروط ہو جس کی ہم کو خبر نہ ہو۔ اگر اس سے بھی نہ سمجھے ہو تو یوں سمجھو کہ عظمت وہیبت ذات کا اثر کسی شرط کے ساتھ مقید نہیں بلکہ وہ بلا شرط ہوتی ہے جیسے شیر کی ہیبت (۳) طبائع میں فطری ہے پس اگر چہ شیر کٹہرے میں بند ہو اور عقلاً ہم جانتے ہوں کہ ہمارا کچھ نہیں کرسکتا لیکن اگر وہ اس حالت میں بھی گھور کر ہماری طرف دیکھ لے اور غرائے تو یقیناً ہیبت کا غلبہ ایسا ہوگا کہ تمام مقدمات عقلیہ نظر سے غائب ہو جائیں گے جب ایک شیر کی ہیبت کی یہ حالت ہے تو خدا تعالیٰ کی

(۱) ہر وقت ڈرتے اور کانپتے رہتے ہیں (۲) جب بادشاہ وقت نیزہ تان لے تو جہاں کے اسرار ورموز سمجھنے والے اپنی گردن کو عدم کے گریبان میں چھپا لیتے ہیں۔ یعنی پوشیدہ رہتے ہیں (۳) ڈر/رعب۔

ہیبت کی کیا شان ہونی چاہیئے۔

اہل اللہ پر غلبۂ خوف

یہی حال امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ پر ایک مدت طویلہ تک غالب رہا جس کی وجہ سے ایک نصرانی طبیب نے ان کا قارورہ (۱) دیکھ کر یہ کہا تھا کہ اس شخص پر خوف غالب ہے اور خوف بھی خالق کا یہی وجہ ہے کہ ان کی کتاب احیاء العلوم کی ''کتاب الخوف'' دیکھنے کا کسی کو تحمل نہیں بعض لوگ اس کو دیکھ کر مایوس ہوگئے اس لئے میں اس کے مطالعہ سے اکثر کو منع کر دیتا ہوں اس کا تحمل اہل اللہ ہی کو ہوتا ہے حق تعالیٰ اولیاء کو اول قوت دیتے ہیں پھر خوف دیتے ہیں اس لئے وہ اس کا تحمل کر لیتے ہیں اور دوسروں کو اس حالت کا تو کیا تحمل ہوگا اگر اولیاء ان کے سامنے اپنی حالت ظاہر کر دیں تو سننے والے کا جگر پھٹ جائے باقی اہل اللہ کو تو ہر دم موت ہی رہتی ہے۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جان دیگر ست (۲)

یہی ہیں جو اس موت و حیات کا تحمل کرتے ہیں دوسروں کو ان کے حال کی کیا خبر۔

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست حال شیرانے کہ شمشیرِ بلا برسر خورند (۳)

اسی کے متعلق عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

آسمان بار امانت نتوانست کشید قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند (۴)

---

(۱) پیشاب (۲) خشیت ربّانی سے اپنا سر جھکا دینے والوں کو ہر گھڑی ایک نئی زندگی غیب سے عطا ہوتی ہے (۳) تیرے پاؤں میں کبھی کانٹا بھی نہیں چبھا تجھے ان لوگوں کی تکلیف کا کیا احساس ہوگا جو اپنے سروں پر مصیبتوں کی تلواریں کھاتے ہیں (۴) آسمان جس بارِ امانت کے اٹھانے سے عاجز رہا مجھ دیوانے کے نام اس بارِ امانت کو اٹھانے کا قرعہ فال نکل آیا۔

عوام کو اس کا اندازہ نہیں ہوسکتا مگر جن پر گزرتی ہے وہ جانتے ہیں کہ واقعی اس کا بارِ تحمل نہ آسمان کرسکتا ہے نہ زمین۔

یہ مضمون طویل ہوگیا میں یہ کہہ رہا تھا کہ کفار کے ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی تسلی اس لئے فرماتے ہیں تاکہ عتاب کوسن کر اہل اللہ لرزنے نہ لگیں یہ تو ربط کا بیان تھا اس آیت میں اور آیاتِ سابقہ میں۔

آیت کی تفسیر

اب مقصود کو عرض کرتا ہوں اور جو مضمون میں بیان کرنا چاہتا ہوں بظاہر اس نص کے تحت میں داخل نہیں۔ لیکن میں قیاس سے نص میں تعمیم کرنا چاہتا ہوں اور اس کے بعد وہ حکم نص ہی سے ثابت ہوگا کیونکہ اصول میں یہ طے ہو چکا ہے ((اَلْقِیَاسُ مُظْهِرٌ لَّا مُثْبِتٌ)) کہ ''قیاس سے نص کی مراد ظاہر ہوتی ہے کوئی نیا حکم ابتداءً ثابت نہیں ہوتا''۔ اب سمجھو کہ نص کا منطوق ظاہری کیا ہے اور مفہوم باطنی کیا ہے [1] سو اس کے لئے اول ترجمہ سننا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''تم خیر (کامل) کو ہرگز نہیں پاسکتے جب تک وہ چیز خرچ نہ کرو جو تم کو محبوب ہے'' بِر سے مراد یہاں پر خیر کامل ہے اولاً اس لئے (اَلْمُطْلَقُ اِذَا یُطْلَقُ یُرَادُ بِهِ الْفَرْدُ الْکَامِلُ) [2] مسئلہ عقلیہ ہے دوسرے دیگر نصوص وقواعد شرعیہ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ یہاں خیر کامل مراد ہے ﴿حَتّٰی تُنْفِقُوْا﴾ یہ غایت ہے اور عربی میں غایات افعال کو صیغۂ اثبات سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور اردو میں صیغۂ نفی سے تعبیر کیا جاتا ہے پس ترجمہ یہ ہوگا کہ ''جب تک خرچ نہ کرو'' الخ یہ تو ترجمہ ہے۔

(۱) اس نص قرآنی کے ظاہری معنی کیا ہیں اور باطنی معنی کیا ہیں (۲) قرآن وحدیث میں لفظ جب مطلق یعنی بغیر کسی قید و تخصیص کے بولا جاتا ہے تو اس سے فردِ کامل مراد ہوتا ہے یہ ایک اصولی قاعدہ ہے۔

انفاق کی مختلف صورتیں

اور بظاہر لفظ انفاق خاص ہے انفاق مال کے ساتھ مگر میرے دل میں ایک بار یہ آیا تھا کہ یہ عام ہے انفاق مال و بذل نفس و بذل جاہ و بذل علم وغیرہ سب کو، اور شاید میں نے ایک بار یہ بیان بھی کیا تھا کہ اگر صفت مساعدت کرے تو اس کو عام لینا چاہیئے (جامع وعظ نے کہا کہ اسی آیت کا بیان ایک دفعہ ہو چکا ہے اور اس میں یہ مضمون ارشاد فرمایا گیا ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ مجھے اس وقت یہ بات یاد نہ تھی کہ اس آیت کا بیان پہلے بھی ہو چکا ہے اچھا اب اس کو پہلے وعظ کا حصہ دوم سمجھنا چاہئیے ۱۲ ظ) پھر میں نے علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول دیکھا جس سے میرے خیال کی تائید ہوئی اور قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس طرح نظر سے گذرا کہ میں اس آیت کی تفسیر حدیث میں دیکھ رہا تھا کیونکہ حدیث میں اس کے متعلق حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا قصہ مذکور ہے کہ وہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے سبحان اللہ! حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی کیا حال تھا کہ ہر آیت کے نزول کے بعد یہ مستعد تھے (۱) کہ ہم سے اس پر عمل سوا ہے یا نہیں۔ دوسرا کمال یہ تھا کہ عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کرتے تھے چنانچہ اس مشورہ کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو کسی صحابی کی رائے کی تصویب (۲) فرماتے اور کبھی اس میں ترمیم فرمادیتے۔

کُل مال صدقہ کرنے کی ممانعت

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی توبہ قبول ہونے پر اپنا تمام مال صدقہ کرنا چاہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مال کے صدقہ کرنے سے منع فرمایا یہ قاعدہ ہے کاملین سے مشورہ لیتے ہیں۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۱) تیار تھے (۲) کسی صحابی کی رائے کو درست فرماتے۔

طبعًا متبع سنت واقع ہوئے تھے۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک شخص کو تمام جائیداد کے وقف کرنے سے منع فرمایا تھا جس میں ایک سنت نبویہ سے بلا قصد موافقت ہوگئی۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا اپنی پسندیدہ چیز کو صدقہ کرنا

غرض حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ ((اِنِّیۡ اَرَی اللّٰہُ تَعَالٰی یَقُوۡلُ: ﴿ لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ﴾ وَ اَنَّ اَحَبَّ اَمۡوَالِیۡ اِلَیَّ بِیۡرُ حَاءٍ فَهِیَ صَدَقَةٌ لِلّٰہِ تَعَالٰی فَضَعۡهُ یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ، حَیۡثُ اَرَاكَ اللّٰہُ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ : بَخۡ بَخۡ مَالٌ رَابِحٌ وَرَائِحٌ وَاَرَیٰ اَنۡ تَضَعَهُ فِی عَشِیۡرَتِكَ الۡاَقۡرَبِیۡنِ)) اوکما قال یعنی ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے نیلِ بر کو انفاق محبوب پر موقوف فرمایا ہے(۱) اور میرے اموال میں سب سے زیادہ محبوب مجھے بیر حاء ہے (جو ایک باغ کا نام ہے) تو میں اس کو اللہ کے نام پر صدقہ کرتا ہوں آپ جہاں مناسب سمجھیں اس کو صرف کر دیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاباش یہ مال نفع دینے والا ہے یا ختم ہونے والا ہے (اس لئے کسی مصرف خیر میں صرف کر دینا اچھا ہے) مگر میری رائے یہ ہے کہ تم اس کو اپنے غریب قرابت داروں میں تقسیم کر دو“ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق اس باغ کو حضرت حسان وابی بن کعب رضی اللہ عنہما کے درمیان تقسیم کر دیا کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ ان کے قریب تھے اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ان دونوں سے زیادہ قریب تھا مگر مجھے اس میں سے کچھ نہیں دیا۔

(۱) کامل درجہ کی نیکی کے حصول کو اللہ تعالیٰ نے پسندیدہ چیز کے خرچ کرنے پر موقوف فرمایا ہے۔

دونوں روایات میں تطبیق

ان روایتوں میں بظاہر تعارض ہے مگر محدثین نے دونوں میں تطبیق یوں دی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ باعتبار خدمت و اختلاط کے قریب تھے کیونکہ ہر وقت ایک ہی گھر میں ان کے پاس رہتے تھے، اور حضرت حسان وابی بن کعب باعتبار نسب کے قریب تھے۔ سبحان اللہ خوب تطبیق ہے۔ اور یہ بھی ایک عظیم الشان فن ہے جو اللہ تعالیٰ نے محدثین وفقہاء کے ساتھ مخصوص کیا ہے جس کی بنیاد محض تخلیل و تاویل ہی پر نہیں جیسا بعض نادانوں کا خیال ہے بلکہ وہ واقعی طور پر تطبیق دیتے ہیں اور اس کی ضرورت ہے بدون اس کے چارہ نہیں کیونکہ یہ قاعدہ مسلّمہ ہے کہ صادقین میں تعارض (۱) نہیں ہوسکتا تو جب دو حدیثیں صحیح سند کے ساتھ مروی ہوں اور دونوں میں تعارض ہو تو رفع تعارض لازم ہے (۲)۔

انفاق میں عموم

غرض میں حدیث میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ قصہ دیکھ رہا تھا کہ اس کے ساتھ ہی علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نظر سے گذرا انفاق محبوب میں بذل جاہ و بذل نفس و بذل علم (۳) بھی داخل ہے اس سے میرا دل بہت خوش ہوا۔ لیکن اگر لغت سے اس کی تائید نہ ہو اور انفاق ان سب کو عام نہ ہو تو علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ پر پھر بھی اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے عموم لفظ کی وجہ سے بذل نفس و بذل جاہ و بذل علم کو اس آیت میں نہیں داخل کیا بلکہ دلالۃ النص کی وجہ سے داخل کیا ہے کیونکہ مال بمقابلہ جاہ و نفس و علم کے ادون ہے (۴) تو جب انفاق مال سے بر کامل (۵)

(۱) ظاہری ٹکراؤ (۲) اس ظاہری اختلاف کو دور کرنا بصورت تطبیق ضروری ہے (۳) اپنے اقتدار سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا جان سے اور علم سے فائدہ پہنچانا بھی انفاق میں داخل ہے (۴) علم اور جاہ و نفس کے مقابلہ میں مال کا درجہ کم ہے (۵) کامل نیکی۔

حاصل ہوتی ہے جو ادنیٰ ہے تو بذل اعلیٰ سے بدرجہ اولیٰ بر کامل حاصل ہوگی (۱)۔ غالباً اسی بناء پر بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ (۲) کی تفسیر میں بعض صوفیاء کا قول نقل فرمایا ہے ''وَمِنْ اَنْوَارِ الْمَعْرِفَةِ يُفِيْضُوْنَ'' کہ انہوں نے افاضہ انوار معرفت کو بھی انفاق میں داخل کیا ہے کیونکہ یہ انفاق مال سے اعلیٰ ہے تو جب ادنیٰ کا انفاق محمود ہے اعلیٰ کا انفاق کیوں محمود نہ ہوگا؟ اور بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی نقل اس بات کی کافی حجت ہے کہ یہ قول محتمل صحت ہے اب چاہے انفاق کو لغۃً عام کہا جائے یا دلالۃ النص کی وجہ سے عام کہا جائے بہر حال تعمیم غلط نہیں بلکہ اگلی آیت کے ربط کے لئے تعمیم ضروری ہے۔ بغیر اس کے چارہ نہیں کیونکہ اس کے بعد یہ آیت ہے: ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ﴾ (۳) جس میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے اور وہ قصہ جیسا مفسرین نے عام طور پر بیان کیا ہے یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو ایک دفعہ مرض عرق النساء ہوا تھا جس کے علاج میں آپ کو اونٹ کے گوشت سے بہت نفع ہوا تھا تو آپ نے نذر کی تھی کہ اگر مجھے اس مرض سے شفا ہوگئی تو اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دونگا حالانکہ وہ آپ کو محبوب تھا کیونکہ مرض میں نافع ہوا تھا مگر آپ نے ترک مرغوب کی اس لئے نذر کی کہ ترک مرغوب خدا کو محبوب ہے تو اس قصہ کا ربط سابق سے جبھی ہوگا کہ انفاق کو عام کیا جائے اور ترک مرغوب کو بھی انفاق میں داخل کیا جائے۔ اور اگر انفاق کو مال کے ساتھ خاص کیا گیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس قصہ کو: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا

(۱) اعلیٰ کو خرچ کرنے سے یقیناً نیکی کامل حاصل ہوگی (۲) ''اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں'' سورۂ بقرہ: ۳ (۳) ''سب کھانے کی چیزیں نزول تورات سے پہلے باستثناء اس چیز کے جس کو (یعقوب علیہ السلام نے) اپنے نفس پر حرام کرلیا تھا بنی اسرائیل پر حلال تھیں'' سورۂ آل عمران: ۹۳۔

تُحِبُّوْن﴾ سے ربط نہ ہوگا (یعنی ربط ظاہر نہ ہوگا ورنہ ربط خفی ممکن ہے ۱۲ ظ) غرض بیضاوی اور قسطلانی رحمہا اللہ تعالیٰ کا قول دیکھ کر مجھے تعمیم انفاق کی ہمت ہوئی ورنہ اس سے پہلے اس خیال کے اظہار کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

علماء وطلباء کو نصیحت

اور یہی میں علماء وطلباء کو نصیحت کرتا ہوں کہ تفسیر قرآن کے متعلق جب کوئی بات ان کی سمجھ میں آیا کرے تو جب تک سلف کے کلام میں اس کی تائید نہ مل جائے اس وقت تک اس پر اعتماد نہ کیا کریں کیونکہ تفسیر بالرائے بہت سخت ہے۔

سالکین کو نصیحت

اب میں مقصود عرض کرتا ہوں جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہاں انفاق عام ہے بذل نفس و بذل جاہ و بذل علم وترکِ مرغوب (۱) وغیرہ سب کو خواہ اس تعمیم کا منشا کچھ ہی ہو دلالۃ النص ہو یا قیاس ہو تو اب سمجھئے کہ ترکِ مرغوب میں یہی داخل ہے کہ احوال و کیفیات کے درپے نہ ہو شوق و ذوق و جوش وخروش کا طالب نہ ہو۔ یہ چیزیں سالکین کو مرغوب ہیں۔ مگر ان مرغوبات کی طلب کو ترک کردینا چاہیئے کیونکہ یہ بھی انفاق محبوب میں داخل ہے اور بدون (۲) اس کے بر کامل حاصل نہ ہوگی۔

محبت کی اقسام

سالکین کو یاد رکھنا چاہیئے کہ محبت کی دو قسمیں ہیں: ا۔ محبت عقلیہ، ۲۔ محبت طبعیہ، اور ان دونوں کے فرق کو اہل علم ہی سمجھتے ہیں جس کو معلوم نہ ہو اہل فن سے سمجھ لے ان دونوں میں مقصود محبت عقلیہ ہے باقی طبعیہ سو وہ محمود تو ہے

(۱) جسمانی خدمت کرنا اقتدار سے فائدہ پہنچانا علم سے فائدہ پہنچانا اور اپنی پسندیدہ چیزوں کو ترک کرنا یہ سب انفاق میں شامل ہیں (۲) بغیر اس کے۔

مگر مقصود نہیں گو ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ محبت طبعیہ افضل ہے عقلیہ سے، کیونکہ طبعی محبت میں ایک خاص جذب و کشش ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس میں احتمال زوال یا انقلاب کم ہے اور عقلیہ میں جذب و کشش نہیں ہے تو اس میں احتمال ہے کہ کسی وقت زائل ہوجائے مگر یہ محض خیال ہے جو محقق نہیں صحیح فیصلہ اس باب میں یہ ہے کہ محبت عقلیہ ہی افضل ہے کیونکہ اس کا مدار اعتقاد پر ہے اور عادۃً اعتقاد بہت کم بدلتا ہے الانا دراً والنادر کالمعدوم[(۱)] اور محبت طبعیہ کا منشا ہیجانِ نفس ہے[(۲)] اور جوش وخروش میں ہمیشہ تبدُّل ہوتا رہتا ہے[(۳)] تو اس میں خطرہ زیادہ ہے کیونکہ یہ شخص جوش ہی سے کام کرنے کا عادی ہوجائے گا جب جوش نہ رہے گا تو کام چھوڑ بیٹھے گا چنانچہ ہم نے ایسے لوگ بہت دیکھے ہیں جو طریق میں حالات و کیفیات ہی کے سہارے پر چلتے ہیں اور جہاں احوال بند ہوئے کام بھی بند کردیا۔

بعض سالکین کی غلطی

کل ہی ایک صاحب کا خط آیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ذکر میں جی نہیں لگتا بعض دفعہ خیال ہوتا ہے کہ چھوڑ دوں یہ شخص اسی کا منتظر ہے کہ ذکر میں جی لگے تو کروں تو یہ شخص لذت کو مطلوب بنائے ہوئے ہے خدا کو مطلوب نہیں سمجھتا ورنہ کسی حال میں اس کی یاد کو ترک کرنے کا ارادہ نہ کرتا۔ اس غلطی میں عام طور پر سالکین مبتلا ہیں تو ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ لذت و شوق مطلوب نہیں بلکہ مطلوب عمل ہے۔ اگر لذت مطلوب ہوتی تو حضور ﷺ ((اسباغ الوضوء علی المکارہ))[(۴)] کی فضیلت بیان نہ فرماتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسی حالت میں عمل کرنا زیادہ افضل ہے کہ عمل کو جی

(۱) ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ محبت عقلی واعتقادی بدل جائے اور اتنے کم ہونے کا کوئی اعتبار نہیں (۲) طبعی جوش ہے (۳) جوش وخروش میں ہمیشہ تبدیلی ہوتی رہتی ہے (۴) ٹھنڈ کی وجہ سے جب ہاتھ منہ دھونے کو دل نہ چاہے تو اہتمام سے وضو کرنے کا حکم نہ فرماتے۔

نہ چاہتا ہو دل پر گرانی ہو، مگر بعض سالکین کی غلطی دیکھو کہ ایسی حالت میں عمل کو خیر باد ہی کہہ دیتے ہیں اس سے یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ عمل میں اگر جوش نہ ہو تو ایک حیثیت سے زیادہ افضل ہے کہ وہ عمل زیادہ خالص اللہ کے واسطے ہوگا لذت کے واسطے نہ ہوگا۔

قبض بسط سے افضل ہے

اسی لئے صوفیاء نے فرمایا ہے کہ قبض بسط سے افضل ہے (۱) ایک تو وہی وجہ جو میں نے ابھی بتلائی ہے دوسری یہ وجہ ہے کہ قبض میں اپنی ذلت و عجز کا مشاہدہ زیادہ ہوتا ہے اس وقت سالک اپنے کو کافر سے بھی بدتر سمجھتا ہے فرعون سے بھی کمتر جانتا ہے حالانکہ اس کے ساتھ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ کافر ہے میں مومن ہوں اور اس علم کا مقتضا یہ تھا کہ اپنے کو کافر سے افضل سمجھتا مگر اس طریق میں ہجے (۲) اور ہیں رواں (۳) اور جیسے کسی نے کہا تھا تے بے زبر تَب بے تے زبر بَت بطخ تو ہجے تھے تبَّتُ کے اور رواں پڑھی بطخ۔ یہی حال اس طریق میں ہے کہ ظاہراً نہ کہ حقیقۃً مقدمات اور دلائل کا مقتضا کچھ اور ہے اور حالت دوسری ہے اس کو اہل حال ہی سمجھتے ہیں کہ قبض میں سالک اپنے کو باوجود مؤمن سمجھنے کے فرعون سے بھی بدتر کیونکر سمجھتا ہے۔ غرض قبض میں ذات و عجز کا مشاہدہ زیادہ ہے جو بسط میں نہیں بلکہ بسط میں بعض اوقات عُجب (۴) وغیرہ کا اندیشہ بھی ہو جاتا ہے اس لئے صوفیاء نے قبض کو بسط سے افضل کہا ہے مولانا فرماتے ہیں ؂

---

(۱) واردات کا انقطاع جو کسی مصلحت سے ہوتا ہے قبض ہے اس کے مقابل حالت بسط ہے یعنی آثار لطف و فضل کے ورود سے قلب کو سرور و فرحت ہونا، قبض منافع میں بسط سے زیادہ ہے قبض سے عُجب کا علاج ہوتا ہے (۲) الگ الگ لفظ پڑھنا (۳) ملا کر لفظ پڑھنا (۴) خود پسندی۔

چونکہ قبض آید تو دروے بسط بیں تازہ باش وچیں میفگن برجبیں
چونکہ قبضے آیدت اے راہرو آں صلاحِ تست آیس دل مشو(۱)

پس احوال و کیفیات اور شوق و ذوق کے سہارے پر عمل نہ کرنا چاہیئے بلکہ عمل ہی کو مقصود سمجھنا چاہیئے عارف فرماتے ہیں ۔

تو بندگی چو گدایان بشرط مزد مکن کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند (۲)

یہ تو مزدوروں کی خصلت ہے کہ کام کرنے سے پہلے پوچھتے ہیں کہ کیا ملے گا اور جب تک مزدوری کا ملنا معلوم نہ ہو اس وقت تک کام ہی نہیں کرتے غلام کی یہ شان نہیں ہوتی غلام کو تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ میں تو سر سے پیر تک آقا کا ہوں میری ہر چیز اسی کی ہے پھر مزدوری کیسی ؟

جاہلانہ سوال

ایک بے نمازی تھانے دار کا قصہ ہے کہ اس کی بیوی نماز پڑھتی تھی اور وہ اس سے پوچھتا تھا کہ نماز پڑھنے سے تجھ کو کیا ملا۔ افسوس خدا کی عبادت کے متعلق یہ سوال کہ تجھ کو کیا ملا؟ کیا کوئی بیٹے سے بھی یہ سوال کرسکتا ہے کہ تجھ کو باپ کی خدمت سے کیا ملا؟ ہرگز نہیں یہ تھانے دار مجھ سے پوچھتا تو میں جواب دیتا کہ ہم کو نماز ملی۔ ارے نماز خود مقصود ہے بندگی اور عبادت خود مطلوب ہے، کسی عمل کے متعلق یہ سوال کہ اس سے کیا ملا اس وقت ہوسکتا ہے جبکہ عمل خود مقصود نہ ہو باقی مقاصد میں یہ سوال نہیں ہوسکتا۔

(۱) جب قبض کی حالت پیش آئے تو اس میں تم حالت بسط کا تصور قائم کرو خوش باش رہو چہرے پر شکن نہ لاؤ۔ کیونکہ اس راہ میں جب قبض کی حالت پیش آتی ہے تو وہ تمہاری اصلاح کے لئے ہوتی ہے اس سے دل گرفتہ نہ ہو (۲) تم اللہ کی عبادت اور بندگی کسی بدل اور عوض کے لالچ میں مزدوروں کی طرح نہ کرو اللہ تعالیٰ تو بندہ پروری خوب جانتے ہیں۔

ذکر و عبادت کا فائدہ

ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام وقت تھے آپ سے جب کوئی کہتا کہ ذکر سے نفع نہیں ہوتا فرماتے یہ کیا تھوڑا نفع ہے کہ تم ذکر کر رہے ہو یعنی بندگی کا مقتضا یہ ہے کہ ذکر ہی کو خود مقصود سمجھے یہ کیا بندگی ہے کہ مزا آیا تو کرلیا ورنہ چھوڑ کر بیٹھ گئے۔ ہاں ذکر پر جس ثمرہ کے مرتب ہونے کا وعدہ ہے وہ ضرور ملے گا دنیا میں تو صرف یہ وعدہ عامہ ہے کہ ﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ﴾ (۱) "تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا" یہ کیا تھوڑا نفع ہے کہ احکم الحاکمین آپ کو یاد کریں اور آخرت میں مغفرت و جنت کا وعدہ ہے باقی ان احوال و کیفیات کا تو کہیں وعدہ بھی نہیں۔ صاحبو! ان احوال و کیفیات کی مثال ایسی ہے جیسے کھانے کے ساتھ سرکہ چٹنی، اب اگر کسی وقت دسترخوان پر سرکہ چٹنی نہ ہو تو کیا آپ کو یہ کہنے کا حق ہے کہ میں تو کھانا بھی نہیں کھاتا۔ اگر چٹنی سرکہ ہی کھایا کرو گے تو دماغ چٹنی ہو جائیگا کہ نہ سَر کے رہو گے نہ پیر کے ؎

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش　　　کہ ہرچہ ساقی کا ریخت عینِ الطافست (۲)

وہ طبیب بڑا کریم ہے جو ہر مریض کو اس کے مزاج کے موافق دوا و غذا دے پس حق تعالیٰ جس کو جس مزاج کا دیکھتے ہیں وہی عطا فرماتے ہیں تمہارے لئے ممکن ہے کہ یہی مناسب ہو کہ احوال و کیفیات نہ ہوں شوق و ذوق کا غلبہ نہ ہو پس تم کو جو عطا ہوا ہے لے لو۔ تم کو اگر احوال عطا ہو جاتے تو تمہارے لئے شاید یہ

(۱) سورۂ بقرہ: ۱۵۲ (۲) شراب صاف یا میلی تجھے یہ پوچھنے کا حق نہیں ہے تو تو بس پئے جا کہ ساقی کا لطف و کرم ہے کہ پلا رہا ہے۔

خطرہ ہوتا کہ اگر یہ انفعالات نہ رہے تو تم افعال ہی سے رہ جاؤ گے (۱)۔

احوال و کیفیات کا طالب نہ ہونا بھی انفاق محبوب ہے

اور یہاں سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ بیان پہلے بیان کا تتمہ ہے اس میں یہ بیان تھا کہ انفعالات مطلوب نہیں بلکہ افعال مطلوب ہیں آج اس کا بیان ہے کہ ترکِ طلب انفعالات بھی انفاق محبوب میں داخل ہے اور انفاق محبوب پر حصول بر کامل موقوف ہے تو بدون ترک طلب انفعالات کے بر کامل حاصل نہ ہوگی۔ کیونکہ طلب انفعالات میں ایک تو وہی خطرہ ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ اگر انفعالات نہ رہے تو تم افعال ہی سے رہ جاؤ گے۔

کیفیات کے طالب کا دوسرا نقصان

دوسرے یہ کہ شیخ سے بدظن ہو جاؤ گے۔ اول اس سے شکایت کرو گے کہ مجھے ذکر وغیرہ سے تاثر نہیں ہوتا حالات طاری نہیں ہوتے اور یہ بات شیخ کے اختیار سے باہر ہے شیخ کے قبضہ میں تو خود اپنے احوال بھی نہیں وہ تم کو حالات کہاں سے دیدے پھر جب تم کو حالات حاصل نہ ہوں گے تو پھر شیخ کی شکایت کرو گے اور اپنے دل میں کہو گے کہ شیخ پھس پھسا ہے صاحب تصرف نہیں۔

ارے عقلمند! شیخ کو صاحب تعرف ہونا چاہیئے کہ اس کی صحبت سے تم کو معرفت حاصل ہو جائے تصرف کی کیا ضرورت ہے یہ تو جوگی بھی کر لیتے ہیں انگریز بھی کرتے ہیں ایک انگریز نے کلکتہ میں ایک بچہ کو توجہ دی تو وہ اقلیدس کی شکلیں بیان کرنے لگا اور اکثر تصرفات ایسی توجہ سے ہوتے ہیں جس میں خدا کی طرف بھی توجہ نہیں رہتی کیونکہ اس میں کامل یکسوئی شرط ہے اسی لئے خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا

(۱) اگر یہ حالات نہ رہے تو تم افعال نیک ہی ترک کر دو گے۔

مقولہ ہے کہ ''عارف راہمت نباشد'' یعنی عارف توجہ نہیں کرسکتا کیونکہ اس کو غیر حق کی طرف اسقدر یکسوئی نہیں ہوسکتی کہ خدا کو بھی بھول جائے اس کو غیر حق پر ایسی توجہ کرتے ہوئے غیرت آتی ہے پس سالکین میں یہ بڑا مرض ہے کہ وہ احوال وانفعال کے درپے ہوکر مشائخ سے بدظن ہونے لگتے ہیں۔ ایک مرض کی فرع یہ ہے کہ مشائخ کے پاس جاتے ہیں اوران سے کہتے ہیں کہ ہمارا بچہ مرگیا ہے اس کی یادیں نہیں جاتیں ایسی توجہ کرو کہ اس کا خیال جاتا رہے یہ تو بڑے سے بڑے شیخ من حیث الشیخ کے قبضہ میں بھی نہیں ہاں کرامت سے ہوجائے تو ممکن ہے مگر کرامت خود غیر اختیاری ہے، کرامت پر ایک قصہ یاد آیا۔

تسخیر کا عمل

ہمارے حضرت استاد رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے تسخیر کا عمل بتلایا تھا اور مولانا کو کمالات کا ایسا شوق تھا کہ ہر قسم کی چیز کو سیکھ لیا کرتے تھے اسی طرح یہ عمل بھی سیکھ لیا جس سے مقصود محض علم تھا عمل مقصود نہ تھا کیونکہ اہل اللہ مخلوق کو مسخر کرنے کی تدبیریں نہیں کیا کرتے جیسا بعض لوگوں کو بزرگوں پر شبہ ہوجاتا ہے کہ ان کو تسخیر کا عمل آتا ہے۔ اورانہوں نے کوئی عمل ایسا کیا ہے جس کی وجہ سے لوگ ان کی طرف جھکے چلے آتے ہیں، میں اس کی نفی نہیں کرتا بلکہ آپ کو اس کی حقیقت بتلاتا ہوں غور سے سنو۔ کہ واقعی انہوں نے تسخیر کا عمل کیا ہے وہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہے جس کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے بندہ خدا کا محبوب ہوجاتا ہے پھر مخلوق کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾(۱) اور حدیث میں ((اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا نَادٰی جِبْرَئِیْلُ اِنِّیْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُہٗ ثُمَّ یُنَادِیْ جِبْرَئِیْلُ فِی

(۱) ''بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کر دیگا'' سورۂ مریم: ۹۶۔

السَّمٰوَاتِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْہُ ثُمَّ یُوْضَعُ لَہُ الْقُبُوْلُ فِی الْاَرْضِ)) اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم ''یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام کو ندا ہوتی ہے کہ میں فلاں کو چاہتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو پھر جبرئیل آسمانوں میں ندا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتے ہیں تم بھی اس سے محبت کرو پھر زمین میں بھی اس کے لئے قبول رکھ دیا جاتا ہے'' یعنی اہل قلب کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے اہل کلب(۱) کے دلوں میں نہیں۔ اس میں اعتبار ان لوگوں کا ہے جن کو کوئی غرض اس شخص سے وابستہ نہ ہو نہ نفع کی نہ ضرر کی، یعنی کسی دنیوی غرض سے نہ دوست ہوں نہ دشمن ہوں بلکہ خالی الذہن ہوں کیونکہ جن لوگوں کو اس شخص سے کچھ دنیوی ضرر پہنچا ہے۔ مثلاً اس کی وجہ سے ان کی شہرت میں کمی آ گئی ہو وہ تو خواہ مخواہ اس کے دشمن ہوں گے اور جن کو اس سے کچھ نفع پہنچ رہا ہے وہ خود بخود دوست ہوں گے ان دونوں کا اعتبار نہیں۔ بلکہ اعتبار ان کا ہے جن کو نہ اس سے کچھ ضرر پہنچا ہو نہ نفع۔ کوئی غرض دنیوی اس کے ساتھ متعلق نہ ہو تو ایسے لوگوں کے دلوں میں متقی کی محبت ضرور ہوگی بشرطیکہ وہ اہل قلب ہو اہل کلب نہ ہو کیونکہ بعض قلب کلب ہوتا ہے۔

لطیفہ

اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا ایک شخص نماز پڑھتے ہوئے اپنے آگے کتا باندھ لیا کرتا تھا، کسی نے اس سے وجہ پوچھی تو اس نے کہا حدیث میں آیا ہے ((لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْکَلْبِ))(۲) ظالم نے قلب کو کلب بنا دیا اور یہ مطلب سمجھا کہ

---

(۱) کتے والوں کے دل میں نہیں (۲) حدیث اصل میں ((لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ)) ہے۔ یعنی نماز میں کمال نہیں آتا مگر جمعیت دل کے ساتھ یا حضور قلب کے ساتھ۔

بدون کتے کے سامنے ہوئے نماز ہی نہیں ہوتی اس نے قاف کو کاف سے بدلا جیسے بعض طلباء نے جو قاف کو غلطی سے کاف پڑھتے تھے اور قال قال کو کال کال کہتے تھے بخاری ختم کر کے استاد سے پوچھا تھا کہ بخاری تو سمجھ میں آ گئی مگر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ لکھا تو ہے قال قال اور پڑھا جاتا ہے کالا کالا۔ اصل اس کی یہ ہے کہ بعضے قلمی نسخوں میں قال قال کو امتیاز کے لئے عربی میں لکھ دیتے تھے اس کو ان عقلمندوں نے کالا کالا پڑھا اور یہ اشکال کیا کہ لکھا تو جاتا ہے قال قال اور پڑھا جاتا ہے کالا کالا اسی طرح ان امام صاحب نے قلب کو کلب پڑھا اور کتے کو سترہ بنالیا۔ (۱)

عمل تسخیر کا نقصان

یہ تو لطیفہ تھا میں کہہ رہا تھا کہ بعض مریدوں کو اپنے مشائخ پر شبہ ہوجاتا ہے کہ ان کو تسخیر وحُب کا عمل آتا ہے اور انہوں نے کوئی عمل کیا ہے جس سے لوگ ان کے مسخر ہوگئے، چنانچہ حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب پر بھی بعض لوگوں کو ایسا گمان تھا مولانا صاحب کشف تھے ان کو اس خطرہ پر اطلاع ہوگئی فرمایا استغفراللہ بعض لوگوں کو ایسا خیال ہے کہ اہل اللہ عملیات سے لوگوں کو مسخر کرتے ہیں۔ ارے یہ بھی خبر ہے کہ ایسے عمل سے نسبت باطنی سلب ہوجاتی ہے وہ ایسا کبھی نہیں کرتے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حال

تو مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تسخیر وحُب کا عمل محض اس لئے سیکھ لیا تھا کہ مولانا کو ہر چیز کے جاننے کا شوق تھا عمل کرنے کے واسطے نہیں سیکھا تھا چنانچہ جس شخص نے آپ کو یہ عمل بتلایا تھا اس نے اخفا کے اہتمام کیلئے جنگل میں لے

(۱) نمازی اپنے آگے جو چیز اس لئے رکھ لے کہ اگر کوئی گذرنے والا اس کے سامنے سے گذرے تو نمازی کا سامنا نہ ہو اس کو سترہ کہتے ہیں ایک انگلی کے بقدر موٹا اور ایک ہاتھ لمبا ہونا چاہیئے۔

جا کر تعلیم کیا تھا جب مولانا نے اس عمل کو محفوظ کرلیا تو اس شخص نے مولانا کو زیادہ معتقد بنانے کے لئے یہ کہا کہ حضرت یہ عمل بہت تیز ہے میں نے ایک ایسی امیر زادی پر اس عمل کا امتحان کیا تھا جس کی ہوا بھی پردہ سے باہر نہ نکلی تھی مگر اس عمل سے وہ فوراً میرے پاس حاضر ہوگئی۔ یہ سن کر مولانا اس عمل سے گھبرا گئے فرمایا کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ نفس کا کیا اعتبار ہے نہ معلوم کس وقت وہ بدل جائے اس لئے میں نے اس عمل کو ذہن سے بھلانے کی کوشش کی یہاں تک کہ اب اس کا ایک لفظ بھی یاد نہیں واقعی یہ بڑا کمال ہے کہ یاد کی ہوئی چیز کو اس طرح بھلا دیا جائے اس کو کرامت کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے، ایک حالت مولانا کی اس سے بڑھ کر یاد آئی مجھ سے خود فرمایا کہ ایک بار خط لکھ کر دستخط کرنا چاہا تو اپنا نام یاد نہیں آیا۔ یہ واقعہ اگر میں خود حضرت سے نہ سنتا تو راوی کو کاذب سمجھتا(۱) تو ایسے حالات اور کرامات تو مستثنیٰ ہیں لیکن عادۃً یہ امور اختیار سے باہر تھے۔ پس شیخ سے یہ درخواست کرنا کہ ہم بچہ کو بھول جائیں واقعہ ہی یاد نہ رہے فضول ہے کیونکہ یہ بات اختیار سے باہر اور اگر کسی نے ایسا کیا بھی ہے تو وہ محض کرامت ہے اور کرامت بھی اختیار میں نہیں۔

صبر کا طریقہ اور فائدہ

دوسرے اگر ایسا ہو جائے تو صبر ہی کہاں رہا اور صبر کا ثواب کیونکر ملے گا کمال تو یہی ہے کہ واقعہ غم یاد ہو پھر صبر کرے یعنی اجر کو یاد کر کے دل کو سمجھائے اور ذکر اللہ میں مشغول ہو جائے اس پر وعدہ ہے اطمینان کے مرتب ہونے کا ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (۲) اور جس مرتبہ کا ذکر ہوگا اسی مرتبہ کا اطمینان عطا ہوگا اور اس اطمینان کا حاصل یہ نہ ہوگا کہ غم بالکل زائل ہو جائیگا بلکہ یہ حاصل ہوگا کہ اللہ تعالیٰ

(۱) بیان کرنے والے کو جھوٹا سمجھتا (۲) ''سن لو! اللہ کے ذکر ہی سے دل مطمئن ہوتے ہیں'' سورۂ رعد: ۲۸۔

پر اعتراض نہ ہوگا عقلاً اس پر راضی ہوجائیگا یہ سمجھے گا کہ جو ہوا عین حکمت ہوا اسی ذکر کے تکرار سے غم کا غلبہ کم ہوجائے گا جس سے تکلیف کا درجہ جاتا رہے گا تو کیا ٹھکانا ہے رحمت کا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا طریقہ بتلایا کہ عذابِ غم سے بھی بچ جاؤ اور ثواب سے بھی محروم نہ ہو۔

شہواتِ دنیا کی مثال

مگر تم یہ چاہتے ہو کہ غم ہی نہ رہے جس کے معنی یہ ہیں کہ صبر کا ثواب نہ ملے بعض لوگ اس کے طالب ہوتے ہیں کہ مال کی محبت دل میں نہ رہے۔ ارے! اگر محبت مال نہ رہے گی تو انفاق میں کمال ہی کیا ہوا ﴿حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ میں محبت کی قید صاف بتلا رہی ہے کہ محبت مال ہی موجب فضیلت انفاق ہے۔ صوفیاء نے اس کو خوب سمجھا ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

شہوتِ دنیا مثالِ گلخن ست   کہ ازو حمام تقویٰ روشن ست (۱)

فرماتے ہیں کہ تقویٰ کی گرم بازاری تو شہوتِ دنیا ہی سے ہے اگر شہوتِ دنیا نہ ہو تو پھر تقویٰ میں کمال ہی کیا رہا پھر اس کو کیسی اچھی مثال سے بیان کیا ہے کہ شہوت دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے حمام کا ایندھن، تو جس طرح حمام ایندھن سے روشن ہوتا ہے اسی طرح تقویٰ کا حمام دنیا کی شہوت سے روشن ہوتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو حمام تقویٰ سرد پڑ جائے گا۔ اس مثال میں اس طرف بھی اشارہ کردیا کہ شہوت دنیا کو دل میں جمع نہ کرنا چاہیئے بلکہ حمام میں جھونک کر پھونک دینا چاہیئے کیونکہ یہ خس و خاشاک (۲) گھر میں جمع کرنے کی چیز نہیں بلکہ پھونکنے اور جلانے ہی کے کام کی ہے۔

(۱) خواہشات دنیا مثل ایندھن کے ہیں کہ جس سے تقویٰ کا حمام روشن ہوتا ہے (۲) تنکے اور کوڑا مٹی۔

محبت مال مطلقاً بُری نہیں

پس محبت مال مطلقاً مذموم نہیں(۱) بلکہ اگر اس کو دین کے کام میں معین بنایا جائے تو مفید ہے چنانچہ حضرات صوفیاء نے اصلاح اعمال میں اس سے بہت کام لیا ہے انہوں نے اصلاح اعمال کا طریقہ جرمانۂ مال مقرر کیا ہے کہ جب غیبت ہوجائے یا تہجد میں ناغہ ہوجائے تو کچھ صدقہ مالیہ بطور جرمانہ کے ادا کیا جائے یہ طریقہ میں بھی تجویز کیا کرتا ہوں مگر جرمانہ اتنا ہو کہ نہ تو بہت گراں ہو جس کا دینا دشوار ہو نہ اتنا کم ہو کہ بالکل گراں نہ ہو ورنہ اثر ہی نہ ہوگا تو اس طریقہ سے جلد اصلاح اعمال ہوجاتی ہے کیونکہ مال کا خرچ کرنا نفس پر گراں ہے اور ظاہر ہے کہ اس گرانی کا منشا محبت مال ہی ہے تو دیکھئے صوفیاء نے اس محبت مال سے کتنا بڑا کام لیا۔ اور یہی طریقہ بخل کے علاج میں مفید ہے کہ نفس کو تھوڑا تھوڑا خرچ کرنے کا عادی کیا جائے جس سے پہلے پہل تو دل پر گرانی ہوگی لیکن اسی طرح عمل کرتے کرتے ایک دن دل کھل جائیگا اور بخل کا مادہ ضعیف ہوجائیگا۔

اشکال کا جواب

اس پر شاید یہ سوال ہو کہ کیا اب ثواب نہ ملے گا کیونکہ اب تو مزاحمت نفس باقی نہیں نہ گرانی باقی ہے۔

جواب یہ ہے کہ ثواب ضرور ملے گا کیونکہ اس حالت پر پہنچا تو ہے مصیبت ہی جھیل کر اور گو اس وقت بلا مجاہدہ بلکہ بعض اوقات بلا ارادہ کے عمل کا صدور ہونے لگا مگر وہ پہلا مجاہدہ اور ارادہ اب بھی اس کے ساتھ متعلق ہے اس لئے شرط ثواب بھی پائی گئی۔ عادات کی طرح عبادات میں بھی یہی بات ہے کہ پہلا ارادہ اور مجاہدہ اخیر تک متعلق رہتا ہے جیسا مشی میں(۲) ارادہ تو

(۱) بُری (۲) چلنے میں۔

دو چار قدم کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اس کے بعد پھر ارادہ کی ضرورت نہیں رہتی قدم خود بخود اٹھتا چلا جاتا ہے لیکن پھر بھی مشی کو فعل اختیاری (۱) کہا جاتا ہے کیونکہ ابتداء میں اس کے ساتھ ارادہ اسی حیثیت سے متعلق ہوا تھا کہ اتنی دور چلوں گا یہی حال عبادات کا ہے کہ جس عمل کے ساتھ ابتداء میں ارادہ اور مجاہدہ متعلق ہوتا ہے وہ اسی حیثیت میں تکمیل سے متعلق ہوتا ہے اس لئے اخیر تک ان دونوں کا تعلق باقی رہتا ہے گو عامل کو (۲) احساس نہ ہو اور وہ یہی سمجھتا ہو کہ میں بدون (۳) ارادے کے عمل کر رہا ہوں اس سے وہ اشکال رفع ہو گیا۔

مال کی محبت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل

غرض تم یہ تمنا نہ کرو کہ مال کی محبت باقی نہ رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عجیب ارشاد ہے آپ کے زمانہ میں کسی غزوہ میں بے شمار مال و دولت آپ کے پاس لایا گیا تو آپ نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ کا ارشاد ہے: ﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ﴾ (۴) کہ لوگوں کے لئے شہوتوں کی محبت مستحسن کر دی گئی یعنی عورتوں اور اولاد اور سونے چاندی کے ڈھیروں کی محبت لوگوں کے قلوب میں آراستہ کر دی گئی ہے اور اے پروردگار جب آپ نے کسی مصلحت سے اس کی محبت کو مزین کیا ہے تو یہ درخواست کرنا کہ ہمارے دل میں اس کی محبت نہ رہے خلاف ادب ہے اس لئے ہم یہ درخواست نہیں کرتے بلکہ یہ درخواست کرتے ہیں کہ اس محبت کو اپنی مرضیات (۵) کا ذریعہ بنا دیجئے تو دیکھو

---

(۱) چلنے کو فعل اختیاری کہتے ہیں (۲) کام کرنے والے کو (۳) بغیر ارادہ (۴) ''خوش نما معلوم ہوتی ہے لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی عورتیں ہوئیں، بیٹے ہوئے، لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے'' سورۂ آل عمران: ۱۴ (۵) اپنی پسندیدگی کا ذریعہ بنا دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر آج کون عارف ہوگا آپ نے زوال حب مال[۱] کی دعا نہیں کی کیونکہ حب مال میں بھی حکمتیں ہیں۔

حُبِ مال کی بعض حکمتیں

ایک حکمت تو یہی ہے کہ اس سے بقدر ضرورت مال جمع کرنا ضروری ہوتا ہے ان کا تقویٰ مال ہی تک رہتا ہے اگر مال ہے تو نماز روزہ بھی ہے ورنہ کچھ نہیں اسی لئے ہمارے حضرات بعض لوگوں کو ترک ملازمت سے منع فرماتے تھے بلکہ بعض کو ناجائز ملازمت کے ترک سے بھی منع فرمایا کہ جب حلال ملازمت ملے اس وقت تک اسی کو کئے جاؤ اور استغفار و توبہ کرتے رہو کیونکہ گو یہ ملازمت حرام ہے مگر ایمان کا وقایہ[۲] ہے ایسا نہ ہو کہ افلاس کی پریشانی سے ایمان ہی جاتا رہے[۳]۔ ہم نے مسرف مفلس کو تو مرتد ہوتے ہوئے بکثرت دیکھا ہے[۴] کسی نے بخیل جمع دار[۵] کو مرتد ہوتا ہوا دیکھا ہو تو بتلایئے والنادر کالمعدوم[۶] کبھی مرتد ہوتا ہوا نہیں سنا گیا وجہ یہ ہے بخیل کے ہاتھ سے جب مال نہیں نکلتا تو ایمان کیونکر نکلے گا ایمان تو احب الاشیاء ہے خیر یہ تو لطیفہ ہے باقی حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ایمان سے پھرتے ہیں وہ دنیوی تنگی سے پریشان ہو کر مرتد ہوتے ہیں غیر اسلام کو حق سمجھ کر کوئی مرتد نہیں ہوتا اور بخیل آدمی کو تنگی سے تکلیف نہیں ہوتی بلکہ وہ تو تصور مال سے مست ہو جاتا ہے کہ میرے پاس اتنا روپیہ ہے۔ غرض دین کی حفاظت کے لئے آج کل یہ ضروری ہے کہ مسلمان اپنے پاس کچھ رقم جمع رکھے۔

---

(۱) مال کی محبت کے زائل ہونے کی دعا نہیں کی (۲) ایمان کی حفاظت کرنے والی ہے (۳) غربت کی وجہ سے پریشان ہو کر ایمان ہی ضائع کردے (۴) فضول خرچ غریب کو دین سے پھرتے دیکھا ہے (۵) بخیل مال جمع کرنے والے کو (۶) اور اگر کوئی سو میں ایک ایسا ہو بھی گیا ہو تو اس کا اعتبار نہیں (۷) سب چیزوں سے زیادہ محبوب ایمان ہے۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ (جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر(۱) ہیں فرماتے ہیں کہ آج کل کسی کے پاس کچھ دراہم ہوں تو ان کی حفاظت کرے۔ کیونکہ ایک زمانہ میں تو مال کا جمع کرنا ہلاکت دین کا سبب تھا مگر آج کل مال کا نہ ہونا ہلاکت دین کا سبب ہے پھر فرمایا کہ اگر ہمارے پاس چند دینار نہ ہوتے تو یہ امراء وحکام تو ہم کو اپنے ہاتھ پونچھنے کا رومال بنالیتے، واقعی آج کل جو امراء نے علماء کو حقیر سمجھ رکھا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ علماء اپنے پاس مال نہیں رکھتے اگر ان کے پاس مال جمع رہا کرے تو امراء بھی انکی عزت کریں اور یہ خود بھی اپنی عزت کریں یعنی امراء کی خوشامد کر کے اپنے کو ذلیل نہ کریں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا دندان شکن جواب

مجھے ایک سفر میں خود یہ واقعہ پیش آیا ہے کہ ایک بار میں نے علماء کے ایک وفد کے ساتھ ان کے اصرار سے ڈھاکہ کے ارادے سے سفر کیا گو کلکتہ ہی سے واپس آ گیا تھا واقعہ یہ ہوا کہ کلکتہ میں نواب صاحب کے ایک دولت مند مصاحب جو وفد کے استقبال پر مامور ہوئے تھے مجھ سے کہنے لگے کہ آپ کے آنے کی اس لئے بھی زیادہ مسرت ہوئی کہ نواب صاحب سے معلوم ہوا تھا کہ آپ نے آنے کی ایسی سخت شرط لگائی ہے جو ہو نہیں سکتی، میں نے پوچھا آپ نے کیا شرط سنی ہے؟ کہنے لگے یہ سنا تھا کہ آپ نے یہ شرط لگائی ہے کہ ہم کو کچھ دیا نہ جائے، میں نے کہا کہ یہ تو بہت آسان شرط ہے نہ دینا تو دینے سے آسان ہی ہے کہنے لگے آسان کہاں ہے

---

(۱) ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کے بزرگوں میں سے ہیں۔

اپنے محبوب کی خدمت کو تو دل چاہتا ہی ہے، میں نے کہا کہ یہ کیا ضرورت ہے کہ محبوب کو بلا ہی کر خدمت کی جاوے محبوب کے پاس خود جا کر بھی تو خدمت ممکن ہے۔ اس پر آپ کہتے ہیں کہ حضرت گستاخی معاف پیاسا کنویں کے پاس جایا کرتا ہے کنواں پیاسے کے پاس نہیں جایا کرتا۔ مجھے اس بے تمیزی کے جواب پر بہت غصہ آیا اور میں نے کہا اللہ! آپ لوگ اس خیال میں ہیں اور ہمارے دماغ میں تو یہ خناس سمایا ہوا ہے(۱) کہ ہم اپنے کو کنواں اور آپ لوگوں کو پیاسا سمجھتے ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ ہمارے پاس تو اس خیال کی دلیل بھی ہے اور آپ کے پاس اپنے کو کنواں اور ہم کو پیاسا سمجھنے کی کوئی دلیل نہیں اور وہ ہماری دلیل یہ ہے کہ مسلمان کو دنیا میں دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک دین کی ایک مال کی اور آپ لوگوں کے پاس مال ہے اور ہمارے پاس دین ہے۔ مگر اتنا فرق ہے کہ جو چیز آپ کے پاس ہے وہ بقدرِ ضرورت ہمارے پاس بھی اتنی موجود ہے کہ اگر عمر بھر ہم آپ کے دروازہ پر نہ جائیں تو ہمارا کوئی کام اٹکا ہوا نہیں رہ سکتا مگر جو چیز ہمارے پاس ہے یعنی دین وہ آپ کے پاس بقدرِ ضرورت بھی نہیں آپ اگر دین کو ضروری سمجھتے ہوں تو علماء سے ایک منٹ کے لئے بھی مستغنی نہیں ہو سکتے، اب بتلایئے کنواں کون ہے اور پیاسا کون ہے؟ اس پر وہ خاموش تھے اور ان کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ اپنی بدتمیزی پر نادم تھے اس وقت میں سوچتا تھا کہ میرے اس استغنا اور اینٹھ مروڑ کی کیا وجہ تھی تو معلوم ہوا کہ اسکی وجہ یہ تھی کہ میں اپنے پاس چار سو پانچ سو روپے جمع رکھتا ہوں۔

اظہارِ عبدیت کے لئے مال جمع کرنا

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بھی ارشاد تھا کہ اپنے پاس کچھ مال جمع رکھنا

(۱) ہمارے دل و دماغ میں تو یہ بات جمی ہوئی ہے۔

چاہیئے حضور ﷺ نے بھی ہم جیسے ضعفاء کی رعایت کے لئے سال بھر کا نفقہ اپنی ازواج(۱) کو ایک دم سے دیا ہے تا کہ ہم کو جواز کے ساتھ اتباع سنت کا بھی ثواب ملے یہ تو علماء کے مذاق پر حضور ﷺ کے اس فعل کی توجیہ تھی ایک توجیہ صوفیاء کے مذاق پر بھی بتلا دوں کہ اس میں اظہار عبدیت تھا کہ حضور ﷺ کو بھی غلہ اناج کی احتیاج تھی ورنہ بعض اولیاء نے تو ایک دن کا خرچ بھی نہیں رکھا اور یقیناً وہ حضور ﷺ سے زیادہ متوکل نہ تھے مگر حضور ﷺ نے اظہارِ عبدیت کے لئے سال بھر کا نفقہ جمع کیا تھا اور اسی اظہار عبدیت کے لئے دعا کرنا ترک دعا سے افضل ہے کیونکہ شکستگی اور اظہار عجز اسی میں ہے اور یہ حق تعالیٰ کو محبوب ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

ہر کجا مشکل جواب آنجارود　　　ہر کجا پستی ست آب آنجارود
ہرکجا رنجے شفا آنجارود　　　ہرکجا دردے دوا آنجارود (۲)

اور فرماتے ہیں ؎

جز شکستہ می نیابد فضل شاہ　　　فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ (۳)

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جو کوئی کچھ لاتا انار امرود وغیرہ تو ہر چیز میں سے کچھ کچھ کھا لیا کرتے تھے کہ اس میں اظہار ہے افتقار(۴) کا حضرت کا یہ طریقہ نہیں تھا جیسا ایک صوفی نے کیا کہ ان کے پاس خربوزہ لایا گیا تو کہا کہ میں نے سترہ برس میں آج خربوزہ کھایا ہے۔ ہمارے حضرات کو یہ طریقہ پسند نہ تھا کیونکہ اس میں شہرت بھی ہے اور عبدیت کے بھی خلاف ہے، اسی طرح ایک پیر صاحب کی

(۱) اپنی بیویوں کو (۲) جہاں نشیب ہوگا پانی وہاں ہی جائیگا۔ جہاں سوال پیدا ہو وہیں جواب کی ضرورت ہے جہاں تکلیف ہو تو وہاں دوا دی جاتی ہے جہاں بیماری ہو شفاء وہیں ہوگی (۳) عقل وفہم کے گھوڑے دوڑانے سے راستہ نہیں ملتا شکستگی اور عاجزی سے اللہ کے فضل کا دروازہ کھلتا ہے (۴) یعنی خود کو عنداللہ محتاج وضرورتمند ظاہر کرتا ہے ۱۲ ط۔

نسبت مشہور تھا کہ وہ اناج نہیں کھاتے میرے ایک دوست نے ان کے مرید سے پوچھا کہ پھر کیا کھاتے ہیں تو اس نے جو بادام اور پھل اور بالائی اور چائے وغیرہ کا لازمہ (۱) بیان کیا تو وہ تین پاؤ آدھ سیر سے زیادہ تھا، اس عزیز نے کہا کہ تم مجھے اس کی آدھی غذا دے دیا کرو تو کون کمبخت ہے جو عمر بھر بھی اناج کا نام لے۔

غرض اظہار عبدیت اسی میں ہے کہ بقدرِ ضرورت مال جمع رکھے اسی لئے امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے زمانہ سابق میں اور اخیر میں ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بقدر ضرورت مال جمع رکھنے کی ہدایت کی ہے اور میں نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عطف امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ پر اس لئے کیا کہ ہمارے حضرت بھی بزرگان سلف سے ہیں گو ظہور اس زمانہ میں ہوا ہے۔ یہ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جو میں نے قاری علی محمد صاحب جلال آبادی سے سنا ہے اور قاری صاحب ہمارے حضرت کے مرید بھی نہ تھے اور بہت ثقہ معتبر شخص تھے اور ظاہر ہے کہ جمع ہونا بدون کسی قدر محبت کے ہو نہیں سکتا۔ پس اتنی محبت میں بھی حکمت ہے۔

عبادات میں مطلوب درجہ

پس تم اس کی طلب نہ کرو کہ مال کی محبت دل سے زائل ہو جائے یہ تو ایک حال ہے اور حال مطلوب نہیں بلکہ اس کی طلب کرو کہ محبت مال اعمال صالحہ کا ذریعہ بن جائے کہ اصل مقصود اعمال ہیں ظاہری بھی باطنی بھی، مگر اب لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جن چیزوں کو خدا تعالیٰ نے مقصود نہیں بنایا یعنی احوال ان کو تو مطلوب بنا رکھا ہے اور جن کو مقصود بنایا ہے یعنی اعمال ان کی طلب نہیں مثلاً شکر و تواضع و اخلاص و محبت عقلیہ وغیرہ کی طلب نہیں ہاں طلب ہے تو حبِ طبعی کی ہے کہ دل

(۱) یہ سب چیزیں ملا کر کھاتے تھے۔

میں عشق کی آگ سی لگ جائے حالانکہ مطلوب حبِ عقلی ہے نہ کہ طبعی، جیسا اوپر بیان ہو چکا۔

خوفِ خدا کا مطلوب درجہ

اسی طرح خوف میں بھی مطلوب خوف عقلی ہے یعنی اعتقاداً یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے اور ممکن ہے کہ مجھ پر مواخذہ ہونے لگے۔ اور یہ درجہ خوف کا ہر مسلمان کو حاصل ہے گو استحضار و ذہول کا فرق ہے[1] اس کے آگے دوسرا درجہ ہے کہ وہ بھی درجہ اختیاری ہے یعنی استحضار عقوبت کا کہ عذاب کا ہر وقت تصور رہے یہ ہر دم فرض نہیں بلکہ میلان معصیت کے وقت فرض ہے[2]۔ سو خوف کے یہ معنی نہیں کہ گناہ کی طرف میلان ہی نہ ہو بلکہ یہ معنی ہیں کہ جب میلان ہو تو فوراً عذاب کا تصور کر کے گناہ سے رک جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَامَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا﴾[3] فرمایا ہے (ان الذین اتقوا اذا یمسھم طائف من الشیطٰن) نہیں فرمایا سو یہ تو خوف عقلی تھا۔ اور ایک خوف بمعنی دل دہڑکنے کے ہے سو یہ غیر اختیاری ہے یہ کسی وقت بھی مطلوب نہیں گو محمود اور مفید ہے اور نہ بندہ اس کا مکلّف ہے مگر لوگ آج کل اسی کو مطلوب سمجھتے ہیں اور یہ ساری خرابی واعظوں کی ہے انہوں نے عوام کا ناس کیا ہے چنانچہ وعظ میں کہا کرتے ہیں کہ تم لوگ تھانہ دار سے تو ڈرتے ہو خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ حالانکہ تھانہ دار سے جو خوف ہے وہ طبعی ہے جیسا سانپ بچھو سے خوف ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے عقلی خوف ہے کیونکہ وہ نظر نہیں آتے بلکہ ان کی صفات کو یاد کر کے ان

---

(۱) اگرچہ یہ فرق ہے کہ کسی کو اس خوف کا استحضار ہے اور کسی کو اس کی طرف سے غفلت ہے (۲) جس وقت طبیعت میں گناہ کا ارادہ پایا جائے اس وقت سزا کا تصور کرے ہر وقت تصور سزا ضروری نہیں (۳) ''یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں'' سورۂ اعراف: ۲۰۱۔

سے ڈرا جاتا ہے اور غائب سے خوف عقلی ہی ہوسکتا ہے پھر خدا تعالیٰ سے طبعی خوف کا مکلّف انسان کو کیونکر کیا جاسکتا ہے۔

توکّل کا مطلوب درجہ

اسی طرح توکّل کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد ہو کہ جو وہ چاہیں گے وہی ہوگا اور عمل یہ ہو کہ خلافِ شرع تدبیر سے رک جائے اور یہ عقلی ہے اور یہ وہ توکّل ہے جس کا بندہ مکلّف ہے اس سے زیادہ کا مکلّف نہیں اور ایک توکّل کا حال یہ ہے کہ کسی وقت یہ خطرہ بھی نہ آئے کہ آج روٹی ملے گی یا نہیں۔ یہ حال مطلوب و مامور بہ نہیں اگر عطا ہوجائے تو ملنا محمود ہے نہ عطا ہو تو نہ ملنا محمود ہے یہ تو محققین کا فیصلہ ہے باقی مغلوبین سوادنی میں سے بعض نے جن کے نام میں من اور صور ہے (من وزن میں بڑی مقدار ہے اور صور مساحت میں بڑی چیز ہے ۱۲ ظ) یہ کہا ہے کہ مقام توکّل کی اصلاح بھی پیٹ کا دھندا ہے۔ حضرت منصور نے ایک سالک سے پوچھا تھا کہ آج کل کیا شغل ہے کہا مقام توکّل کی تصحیح کررہا ہوں فرمایا ساری عمر پیٹ ہی کے دھندے میں رہو گے محبوب کے ساتھ دل لگانے کا وقت کب آئیگا، سو یہ آثار مغلوبیت کے ہیں علوم کے نہیں ہیں۔ غرض توکل مطلوب یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر اعتقاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا اور تدبیر خلاف شرع نہ کرو پس واللہ تم متوکّل ہو، واللہ تم متوکّل ہو، واللہ تم متوکّل ہو۔

واعظین کی غلط فہمی کا زالہ

مگر واعظوں نے اس میں بھی عوام کا ناس کیا ہے کہتے ہیں کہ تم کو خدا پر اتنا بھی بھروسہ نہیں جتنا ایک مخلوق پر ہے کوئی شخص تمہاری دعوت کر جائے تو چولہا

ٹھنڈا کر دیتے ہو اور خدا تعالیٰ نے تمہاری دعوت کی ہے: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ (۱) اس کو سنکر تم چولہا ٹھنڈا نہیں کرتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس قیاس کے لئے مماثلت وعدہ شرط ہے اور یہاں مماثلت نہیں (۲) کیونکہ ﴿مَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾ الخ میں شام کا وعدہ نہیں کہ تم کو شام کے وقت ضرور کھانا ملے گا نہ طریق کی تعیین ہے کہ سوال کر کے ملے گا یا نوکری وغیرہ سے یا بطور دعوت کے ملے گا۔ غرض وقت بھی مبہم اور طریق بھی مبہم (۳)۔ اور داعی جو دعوت کرتا ہے وہ وقت بھی معین کر رہا ہے اور طریق کو بھی معین کر رہا ہے اگر اللہ تعالیٰ کا وعدہ اس تعیین کے ساتھ ہوتا تو کون مسلمان تھا جو چولہا گرم کرتا پھر یہ قیاس اور اس پر ملامت کی بناء کب صحیح ہے۔ (۴) اور یہ ساری باتیں واعظوں کو دوسروں ہی کے واسطے سوجھتی ہیں اپنے واسطے نہیں سوجھتیں ہم تو جب جانیں کہ وہ روزانہ اپنے گھر کا چولہا بھی ٹھنڈا رکھیں ذرا کر کے دیکھیں نانی یاد آ جائے گی مگر خود کون کرتا ہے یہ تو دوسروں ہی کی گردن مارنے کو ہیں۔

جاہل واعظوں کا حال

چنانچہ قصہ مشہور ہے کہ ایک واعظ نے وعظ میں صدقہ کے فضائل بیان کئے ان کی بیوی بھی موجود تھیں اس پر وعظ کا اثر ہوا۔ اس نے سارا زیور خیرات کر دیا واعظ صاحب جو گھر پر آئے اور بیوی کو زیور سے ننگا دیکھا پوچھا زیور! کیا ہوا؟ کہا خیرات کر دیا، کہا کیوں؟ کہا تم نے ہی تو صدقہ کے فضائل بیان کئے تھے تو آپ کہتے ہیں کہ میں نے کیا اسواسطے فضائل بیان کئے تھے کہ تم خیرات کر دو بلکہ اس واسطے بیان کئے تھے کہ دوسرے ہم کو دیں۔

(۱) ''زمین پر جو بھی جاندار ہیں ان کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے'' سورۂ ھود: ۶ (۲) دونوں کا وعدہ ایک جیسا ہونا چاہیئے (۳) نہ وقت کا تعین نہ طریقے کا (۴) پس نہ اس پر قیاس درست ہے اس پر ملامت۔

اسی طرح ایک مسافر واعظ نے سودخواروں کی ایک بستی میں آکر وعظ کہا اور سودخواروں کی خوب مذمت بیان کی کسی نے واعظ صاحب کو روٹی بھی نہ دی اب تو بڑی فکر ہوئی بعد نماز کے اعلان کیا کہ عالم حقانی بھوکا پڑا ہے کسی نے کھانے کو بھی نہ پوچھا۔ لوگوں نے کہا صاحب ہم لوگ سودخوار ہیں تو آپ کو ایسی ناپاک چیز کیونکر کھلاتے، کہنے لگے میں نے مجملاً سنا تھا کہ سود لیتے ہو ذرا تفصیل تو بتلاؤ کس کس طرح لیتے ہو، انہوں نے بیان کیا، کہنے لگے یہ تو سود نہیں ہے ناحق لوگوں نے بدنام کیا ہے لاؤ روٹی لاؤ پھر تو خوب دعوتیں ہونے لگیں۔ غرض پیشہ ور واعظین نے ناس مار رکھا ہے۔

چنانچہ ایک جہالت یہ کر رکھی ہے کہ مقصود کو غیر مقصود اور غیر مقصود کو مقصود بنا رکھا ہے اسی لئے عوام نے یہ سمجھ لیا کہ بس توکّل اور اکل حلال محال ہے حالانکہ بالکل غلط ہے جس درجہ کا انسان کو مکلّف کیا گیا ہے وہ ہر شخص کے لئے آسان ہے۔

منہیات میں لوگوں کوتاہی

یہ تو مامورات میں لوگوں کی کوتاہی تھی اب منہیات (۱) میں سنیئے کہ شریعت میں مثلاً ریا سے ممانعت ہے تو لوگ اس کی حقیقت یہ سمجھے کہ وسوسہ غیر کا بالکل خطرہ بھی نہ آئے اور اگر اتفاقاً نماز یا ذکر میں غیر حق کا وسوسہ آگیا تو شیخ کے پاس پیٹ پکڑے ہوئے آتے ہیں۔

لطیفہ

پیٹ پکڑنے پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا ہمارے مدرسہ میں ایک طالب علم تھا جو بہت بھولا تھا ایک دن میں نے اس سے کہا کہ صراحی اٹھالاؤ مگر پیٹ پکڑ کر لانا تاکہ ٹوٹ نہ جائے تو آپ ایک ہاتھ سے تو صراحی کا گلا اور دوسرے

(۱) جن کو شریعت نے منع کیا ہے۔

ہاتھ سے اپنا پیٹ پکڑے آرہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ میاں اپنا پیٹ کیوں پکڑا کہا تم ہی نے تو کہا تھا کہ پیٹ پکڑ کر لانا۔

شیخ محقق اور غیر محقق کے طریقۂ علاج میں فرق

غرض وسوسۂ ریا اور خطرۂ ریا بھی آ گیا تو یہ لوگ شیخ کے پاس گھبرائے ہوئے آتے ہیں اب اگر شیخ غیر محقق ہوا تو اس نے ایک وظیفہ اور بتلا دیا پھر اس وظیفہ میں وسوسۂ ریا ہوا تو ایک مراقبہ اور تعلیم کر دیا۔ اور اگر محقق ہے تو وہ پوچھے گا کہ بتلاؤ ریا اختیاری ہے یا غیر اختیاری بس آدھے سلوک کے اشکالات کا جواب تو اسی سوال سے حل ہو جائیگا۔ پہلے بیان (۱) کا بھی اسی پر مدار تھا کہ اختیارات کے درپے ہونا چاہیئے غیر اختیاریات کے درپے نہ ہونا چاہیئے، اس بیان میں بھی یہ مسئلہ آ گیا کیونکہ تمام اشکالات کا جواب دراصل یہی مسئلہ ہے کہ شریعت نے اختیاریات کا مکلّف کیا ہے اس لئے ہر اشکال کے جواب میں یہ مسئلہ آجاتا ہے اب اگر اس سوال کے جواب میں یہ کہا گیا کہ ریا اختیاری ہے تو اس سے کہا جائیگا کہ اپنے اختیار سے کام لو اور قصداً خیال غیر کو نہ لاؤ اور اگر یہ کہا گیا کہ غیر اختیاری ہے تو شیخ کہے گا کہ نہ یہ ریا مضر ہے نہ ریاح مضر ہے بس بےفکر رہو اور اس ریا کو مثل ریاح کے سمجھو وہ ریا نہیں بلکہ وسوسۂ ریا ہے جو اصلاً مضر نہیں۔ ریائے مذموم یہ ہے کہ قصداً مخلوق کے لئے عمل کیا جائے اگر قصداً مخلوق کے لئے عمل نہ کیا گیا بلکہ بلا قصداً مخلوق کا خیال آیا تو یہ ریا نہیں بلکہ اخلاص ہی ہے اور یہ بات سہولت سے حاصل ہو سکتی ہے کہ اپنے قصد واختیار سے دوسرے کا خیال وارادہ نہ لاؤ۔

---

(۱) پچھلے وعظ میں یعنی (انفاق المحبوب)۔

مجاہدہ کی اہمیت وضرورت

رہا یہ کہ پھر مجاہدہ کی ضرورت کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مجاہدہ اس واسطے کیا جاتا ہے تا کہ ریا اختیاری کی مدافعت سہل (۱) ہوجائے۔ کیونکہ اس کا بار بار دفع کرنا قدرے دشوار ضرور ہے مجاہدہ سے یہ مشقت دفع ہوجاتی ہے نیز وسوسۂ ریا جو کہ مضر نہیں بعض دفعہ اعمال کے ساتھ مزاحمت کرتا ہے (۲) اور اس کے ساتھ عمل دشوار ہوجاتا ہے مجاہدہ سے وسوسۂ ریا بھی ضعیف (۳) ہوجاتا ہے۔ بہرحال تم جن احوال غیر اختیاریہ کے طالب ہوان کو چھوڑ وان کی طلب کو قطع کرو یہ بھی ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ میں داخل ہے کہ ان ہوسوں کو قطع کرو۔

شبہ کا جواب

لیکن ﴿مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ کی ﴿مَا﴾ اسقدر عام نہیں کہ سارے بچے اس کے اندر آجائیں (۴) کہیں تم یہ کہنے لگو کہ ہم کو جنت کی بھی ہوس ہے ہم کو رضائے حق بھی مطلوب ہے تو کیا اس کو بھی قطع کردیں۔

اس کا جواب میں قرآن ہی سے دیتا ہوں وہ یہ کہ حق تعالیٰ نے ﴿مِمَّا تُحِبُّوْن﴾ فرمایا ہے: ﴿مِمَّا اُحِبُّ﴾ نہیں فرمایا اور جنت ورضائے حق تو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اسکا قطع کرنا مقصود نہیں حاصل یہ ہوا کہ جو حالت تم کو محبوب ہو اور اللہ تعالیٰ کو من حیث المطلوبیت محبوب نہ ہو اس کی طلب قطع کرو اب اشکال نہ رہا۔

انفاق فی سبیل اللہ ضروری ہے

دوسری قید یہ بھی ضروری ہے کہ یہ انفاق فی سبیل اللہ ہو مطلق انفاق کافی

---

(۱) اختیاری ریا سے بچنا آسان ہو (۲) ٹکراتا ہے (۳) کمزور (۴) مطلب یہ ہے کہ ﴿مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ میں جو لفظ ﴿مَا﴾ ہے جس کا مطلب ''جو'' ہے اس میں اتنا عموم نہیں ہے ساری پسندیدہ چیزیں اس میں داخل کردی جائیں جیسے جنت کی خواہش وغیرہ۔

نہیں یعنی احوال و کیفیات و ہوسات کی ترک طلب رضائے الٰہی کے واسطے ہو راحت نفس کے واسطے نہ ہو یعنی اپنے محبوب کو خدا کے محبوب پر فدا کرنا یہ ہے انفاق ﴿مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾

احب الاشیاء کے انفاق ہی پر حصولِ بر موقوف نہیں

ایک بات یہ بھی سمجھو کہ آیت سے کس قدر مفہوم ہوتا ہے جو چیز خرچ کرو اس کا محبوب ہونا تو ضروری ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ سب اشیاء میں احب ہو مگر حدیث ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے ظاہراً شرط احبیت بھی مفہوم ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا تھا ((انی اری اللّٰہ تعالی یقول: لَنْ تَنَا لُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَاَنَّ اَحَبَّ الْاَمْوَالَ اِلَیَّ بِیْرُ حَاءٍ الخ))اس میں انہوں نے یہ ظاہر کیا ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تک محبوب چیز خرچ نہ کرو گے اس وقت تک بر کامل حاصل نہ کرسکو گے اور مجھے سب سے زیادہ محبوب مال باغ بیرِ حاء ہے تو گویا ان کی فہم میں بر کامل کا حصول احب الاشیاء کے انفاق پر موقوف تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فہم کی تقریر فرمائی اس سے احب الاشیاء کے انفاق پر حصول بر کا توقف پختہ ہوگیا اس غلطی میں بہت روز تک میں بھی رہا ہوں مگر پھر خدا نے ہدایت کی اور یہ سمجھ میں آیا کہ احب الاشیاء کے انفاق پر حصول بر موقوف نہیں کیونکہ نص مطلق ہے نص میں تو ﴿مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ ہے احبیت کی قید نہیں (۱) اور حدیث میں جو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا قول ((وَاَنَّ اَحَبُّ الْاَمْوَالَ اَلَیَّ بِیْرُ حَاءٍ))وارد ہے تو کسی دلیل سے اس کا ﴿مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ کی تفسیر ہونا ثابت نہیں بلکہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے از خود یہ ظاہر کرنا چاہا کہ گو حصول بر نفس محبوبیت شئے سے بھی

(۱) جو تمہیں پسند ہے جو سب سے زیادہ پسند ہو یہ نہیں ہے۔

حاصل ہوسکتی ہے مگر میں احب الاشیاء کا انفاق کرنا چاہتا ہوں (۱)۔

بنیئے کا صدقہ

غرض تم مطلق محبوب کے انفاق سے بھی بر حاصل کرلو گے خواہ احب ہو یا نہ ہو ہاں ردل خدل (۲) نہ ہو کہ ''موئی بھیڑ خواجہ خضر کے نام'' (۳) جیسے ایک بنیئے کا قصہ ہے کہ وہ اتفاقاً درخت پر چڑھ گیا تھا وہاں سے اترتے ہوئے ڈر لگا تو کہنے لگا ارے رام اگر میں سلامتی سے نیچے اتر گیا تو ایک گائے پن کروں گا (۴) پھر کچھ نیچے اترا اور بچنے کی امید ہوگئی تو کہا ایک بکری دوں گا پھر کچھ نیچے آیا تو کہا ایک مرغی دوں گا پھر بالکل نیچے اتر آیا تو ایک جوں سر میں سے پکڑ کر ماردی کہ جان کا بدلہ جان بس یہی کافی ہے۔

نذر کا ایک فائدہ

اس نذر ماننے پر ایک تحقیق نذر کے متعلق ذہن میں آگئی وہ یہ کہ نذر کے بارے میں حدیث میں آیا ہے ((لَایُرَدُّ مِنَ الْقَدْرِ شَیْئًا وَاِنَّمَا یَسْتَخْرِجُ بِہٖ مِنَ الْبَخِیْلِ)) کہ منت سے تقدیر تو ٹلتی نہیں، ہوتا وہی ہے جو مقدر ہے منت سے اس کے خلاف تو نہیں ہوسکتا ہاں اللہ تعالیٰ اس طریقہ سے بخیل کا کچھ مال نکال دیتے ہیں کیونکہ بخیل مصیبت کے ہی موقع پر کچھ نذر وغیرہ کی صورت میں مال خرچ کرتا ہے، ویسے اس کے ہاتھ سے مال نہیں نکلتا۔

شبہ کا جواب

اس پر ایک شبہ شاید سامعین میں سے کسی کو ہوا ہوگا کہ اس حدیث سے نذر کی مذمت مفہوم ہوتی ہے حالانکہ نص میں ((وَلْیُوفُوْا نُذُوْرَھُمْ)) (۵) وارد ہے جس

(۱) اگرچہ نیکی صرف پسندیدہ چیز کے خرچ سے بھی حاصل ہوجائیگی لیکن میں سب سے زیادہ پسندیدہ چیز خرچ کرنا چاہتا ہوں (۲) بالکل ہی گھٹیا نہ ہو (۳) مری ہوئی یا قریب المرگ بھیڑ کا صدقہ کرنا (۴) ایک گائے صدقہ کرونگا (۵) ''چاہیئے کہ وہ اپنی نذروں کو پورا کریں'' سورۂ انبیاء: ۲۹۔

سے نذر کا عبادت ہونا معلوم ہوتا ہے نیز علماء کا قول بھی ہے کہ نذر عبادت ہے جو حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اسی لئے نذر بغیر اللہ حرام ہے اور عبادت کے لئے حسن لازم ہے پھر نص میں وفاء نذر کا امر ہے اور مامور بہ قبیح نہیں ہوسکتا۔

اس کا جواب بعض محققین نے یہ دیا ہے کہ عبادت لذاتہا نذر مطلق ہے جیسے یوں کہیے ((نَـذَرْتُ لِلّٰهِ صَوْمًا وَنَذَرْتُ له صَلٰوةً وَصَدَقَةً))[1] کہ میں اللہ کے لئے روزہ کی نذر کرتا ہوں یا نماز وصدقہ کی نذر کرتا ہوں اور نذر مذموم نذر مقید ہے گو عبادت بغیر ہا ہو جیسے یوں کہے کہ میرا بیمار اچھا ہوجائے تو اتنا صدقہ کرونگا میرا مقدمہ فتح ہوجائے تو اتنے مساکین کو کھانا کھلاؤں گا وغیرہ وغیرہ، سبحان اللہ! عجیب جواب ہے واقعی شریعت کو انہی حضرات نے خوب سمجھا ہے۔ اور خود حدیث اس فرق کو بتلا رہی ہے کیونکہ کراہت کی علت آپ نے استخراج کو فرمایا ہے اور یہ نذر مطلق میں نہیں ہے معلق میں ہے[2] یہ تحقیق درمیان میں ایک حکایت پر بیان ہوگئی ہے۔

اللہ کے نام پر گھٹیا چیز دینے کی تمثیل

میں یہ کہہ رہا تھا کہ ردی چیز اللہ کے نام پر صدقہ نہ کرنا چاہیئے اس سے بر حاصل نہ ہوگی جیسے آج کل عادت ہے کہ خدا کے نام کی وہی چیز نکالی جاتی ہے جو سب سے ردی ہو جیسا ہمارے ماموں صاحب نے ایک حکایت بیان کی تھی کہ ایک شخص کے یہاں کھیر پکی تھی کھیر کی ایک رکابی میں کتے نے منہ ڈال دیا تو اس کی بیوی نے ایک مٹی کی رکابی میں اس کو لوٹ دیا[3] اور بچہ سے کہا کہ مسجد کے مُلّا کو دے آ وہ میاں جی کے پاس لایا میاں جی نے مہینوں میں کھیر کی صورت دیکھی تھی

(۱) ''میں نے اللہ کی رضا کے لئے روزہ، نماز یا صدقہ کی منت مانی'' (۲) ایسی نذر جو کسی شرط کے ساتھ مشروط ہو (۳) مٹی کی پلیٹ میں اس کو ڈال دیا۔

فوراً ہاتھ مارنے لگا اور اسی طرف سے کھانا شروع کیا جدھر کتے نے منہ ڈالا تھا لڑکے نے کہا میاں جی ادھر سے نہ کھاؤ ادھر سے کتے نے منہ ڈال دیا تھا میاں جی کو غصہ آیا اور رکابی دور پھینک کر ماری، لڑکا رونے لگا کہا ابے روتا کیوں ہے ایک تو مجھے کتے کی منہ ڈالی ہوئی کھیر کھلائی اوپر سے روتا ہے، بچہ نے کہا کہ تم نے رکابی توڑ دی میری ماں مجھے مارے گی، کہا مٹی ہی کی تو رکابی تھی، کہنے لگا کہ میری ماں میرے بھائی کا گوہ اس میں اٹھاتی تھی اب وہ مجھے مارے گی، اب تو مُلّا جی کو قے ہونے لگی کہ ظرف ومظروف (۱) دونوں ہی نور بھرے تھے تو ایسا انفاق تو حرام ہے اس سے بر کامل ہرگز حاصل نہ ہوگا۔

اپنی کمائی میں سے پاکیزہ چیز خیرات کرو

بلکہ اللہ کے نام پر اچھی چیز کو خرچ کرو جو پیاری ہو ہاں یہ ضروری نہیں کہ سب سے زیادہ پیاری ہو سو پیارا تو ایک پیسہ بھی ہے مجھے خود اپنی حالت معلوم ہے کہ ایک پیسہ ضائع ہوجاتا ہے تو دو چار منٹ تک مجھے تردد ہوتا ہے اور اس کے ضائع ہونے کا قلق بھی ہوتا ہے تو ایک پیسہ کا خرچ کرنا بھی انفاق ﴿مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ میں داخل ہے بس اس کا لحاظ انفاق میں ضروری ہے کہ جو چیز خرچ کرو وہ تم کو محبوب ہو گو کسی دوسرے دولتمند کے نزدیک وہ غیر محبوب ہو کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:
﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ﴾ (۲) کہ اپنی کمائی میں سے پاکیزہ کو خرچ کرو اور اس میں سے خبیث کا قصد نہ کرو بس ہر شخص اپنی کمائی میں سے محبوب کو خرچ

(۱) برتن اور اس میں موجود کھیر دونوں ہی خراب تھیں (۲) ''اے ایمان والو! خرچ کیا کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے اور ردی چیز کی طرف نیت مت لے جایا کرو''۔ سورۂ بقرہ: ۲۶۷۔

کرے گو وہ کسی نواب اور بادشاہ کے نزدیک خبیث ہی ہو مگر تمہارے نزدیک خبیث نہ ہونا چاہیئے۔ اس میں غرباء کی رعایت کی گئی ہے اگر ''طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ '' نہ فرماتے بلکہ ﴿اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ﴾ مطلقاً فرماتے تو غرباء کو فکر ہوتی کہ ہمارے پاس تو جتنا کچھ ہے امیروں کی نظر میں سب ہیچ ہے تو طیبات کاملہ ہم کہاں سے لائیں اس لئے حق تعالیٰ نے فرمادیا کہ اس میں سے چھانٹ کر ردی مال اللہ کے واسطے نہ نکالو۔

پرانے کپڑے، جوتے کو کس نیت سے خیرات کرے

اب یہاں ایک اشکال واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ حدیث (۱) میں ہے کہ جب نیا کپڑا پہنے تو پرانے کو خیرات کردے اور نیا جوتا پہنے تو پرانے کو، اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ ردی مال صدقہ کیا جائیگا تو میں اس حدیث کا مطلب یہ سمجھا ہوں کہ پرانے کپڑے اور جوتے کو اللہ کے نام پر ثواب کی نیت سے نہ دیا جائے بلکہ اعانت غریب (۲) کی نیت سے صدقہ کیا جائے تم اعانت غریب کے سوا کچھ قصد (۳) نہ کرو۔ چاہے اللہ تعالیٰ تم کو ثواب بھی دیدیں خوب سمجھ لو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مراد اس سے وہ پرانا ہو جو ردی کے درجہ تک نہ پہنچا ہو بہرحال تحصیل بر کے لئے احب الاشیاء کا انفاق ضروری نہیں اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا احب الاشیاء کا خرچ کرنا یہ اس غرض سے تھا کہ وہ خیر کامل کا قصد کرتے تھے۔ دوسرے خود نص میں ایک قرینہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حصول بر کے لئے انفاق احب الاشیاء ضروری نہیں اور وہ قرینہ ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ ہے (۴)

---

(۱) کذا فی الترغیب عن الترمذی ((ثم عمدا الی الثوب الذی اخلق فتصدق به)) الخ فی الترغیب کلمات یقولهن من لیس له ثوبا جدیدا ۱۲ ظ (۲) غریب کی مدد (۳) کوئی نیت نہ کر (۴) ''جو چیز بھی خرچ کروگے بیشک حق تعالیٰ کو اس کی خوب اطلاع ہے'': سورۃ اٰل عمران: ۹۲۔

اور یہ وقت ہے وفائے وعدہ سابق کا کہ میں نے اوپر کہا تھا کہ دونوں آیتوں کا حاصل ایک ہی ہے اور دونوں میں مضمون مقصود کا ایک جزو مذکور ہے اس لئے میں نے دونوں کو ساتھ تلاوت کیا تھا۔

آیت کی تفسیر

اس دوسری آیت کی مشہور تفسیر تو یہ ہے کہ آیت سابقہ کی علت ہے کہ تم کو انفاق پر ثواب کیونکر نہ ملے اللہ تعالیٰ تمہارے انفاق کو خوب جانتے ہیں اس تفسیر پر تو اس کا حاصل آیت سابقہ سے متحد ہے۔ مگر میری سمجھ میں خود بخود یہ بات آئی تھی کہ یہ آیت پہلی آیت کے مقابل ہے کہ پہلی آیت میں انفاق محبوب پر برِّ کامل کے حصول کو موقوف کیا گیا تھا۔ اور اس آیت میں ﴿مَا تُنْفِقُوْا﴾ عام ہے محبوب غیر محبوب دونوں کو، مطلب یہ ہے کہ بر کامل تو انفاق محبوب ہی سے حاصل ہوگی اور ویسے جو کچھ بھی تم خرچ کرو خواہ محبوب ہو یا غیر محبوب ہو بشرطیکہ ردی نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں یعنی ثواب کچھ نہ کچھ مل ہی جائیگا گو بر کامل حاصل نہ ہو۔ یہ تفسیر میرے ذہن میں آئی تھی مگر میں اس پر مطمئن نہ ہوا بلکہ تفاسیر میں تلاش کیا تو بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی لکھا ہے جو میں سمجھا تھا اس سے میرا جی بہت خوش ہوا اور اطمینان ہوگیا کہ یہ تفسیر بالرائے نہیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ ذوقی تفسیر پر بدون تائید سلف کے ہرگز اعتماد نہ کیا جائے۔ (۱) شاید اس پر کسی کو شبہ ہو کہ اس سے تو انفاق ردی پر بھی ثواب معلوم ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس سے انفاق ردی کا جواز یا اس پر ثواب کیسے معلوم ہوا ہاں اس میں محبوب وغیر محبوب کی تعمیم ضرور ہوگئی اگر غیر محبوب بھی خرچ کرو بشرطیکہ ردی قابل نفرت نہ ہو تو اس پر بھی ثواب مل جائیگا۔

---

(۱) ذوقی تفسیر کے لئے تائید سلف ضروری ہے۔

انفاق کے تین درجے

پس اب تین درجے ہوئے ایک محبوبؔ، ایک غیرؔ محبوب، ایک ردیؔ مبغوض (۱) پہلے دونوں درجوں پر تو ثواب ملے گا۔ اول پر زیادہ اور دوسرے پر کم اور تیسرے درجہ کی ممانعت ہے اس پر ثواب نہ ملے گا۔ آیت کی تفسیر تو پوری ہوئی۔

تتمّہ مضمون

اب بطور تتمہ کے یہ بتلاتا ہوں کہ اس آیت میں سلوک کی ترتیب بھی بتلائی گئی ہے جو شخص انفاق محبوب نہ کر سکے وہ غیر محبوب ہی سے شروع کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ سب لوگ ایک درجہ کے نہیں اس لئے سب کو انفاق محبوب دفعۃً سہل (۲) نہیں تو وہ اول انفاق غیر محبوب سے عمل شروع کریں، اور میں نے اس آیت کا تتمہ آیت سابقہ اس لئے کہا حالانکہ اس کا مضمون مقابل ہے پہلی آیت کے مگر پہلی آیت کا مضمون اس سے مل کر ہی پورا ہوتا ہے اس لئے اس کو تتمہ کہا گیا۔

مِن بیانیہ ہے یا تبعیضیہ

اب ایک بات یہ رہی کہ ﴿مِمَّا﴾ کے ''مِنْ'' میں اختلاف ہے کہ من بیانیہ ہے یا تبعیضیہ سو دونوں کا حاصل ایک ہی ہے کیونکہ بیانیہ کا حاصل یہ ہوگا کہ محبوب کو خرچ کرو اور تبعیضیہ کا حاصل یہ ہوگا کہ بعض محبوب کو خرچ کرو۔ اور قواعد سے معلوم ہو چکا ہے کہ کل کا انفاق مطلوب نہیں بلکہ بعض لوگوں کی ایک انفاق کل ممنوع ہے۔

پس مِنْ بیانیہ کا مرجع بھی تبعیضیہ ہی کی طرف ہے اب میں ختم کرتا ہوں۔

---

(۱) ایک پسندیدہ ایک ناپسندیدہ ایک بالکل گھٹیا قابلِ رد (۲) ایک دم آسان نہیں۔

خلاصۂ وعظ

خلاصہ بیان کا یہ ہوا کہ آیت کا جو مدلول خفی ہے خواہ قیاسی ہو یا منصوص (۱) ہو یعنی ترک کیفیات غیر اختیاریہ اس پر عمل کرنا چاہیئے کہ ہوسات وثمرات (۲) کی طلب کو قطع کرو اور اعمال کا اہتمام کرو۔

اب دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہم کو فہم سلیم اور عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وصلی اللّٰہ علی سیدنا و مولانا محمد و علی الہ واصحابہ اجمعین واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

(۱) آیت باطنی طور پر جس معنی پر دلالت کررہی ہے چاہے نص سے دلالت ہو یا قیاس سے (۲) خواہشات اور اس پر نتیجے کی طلب کے منتظر نہ ہو۔

خلیل احمد تھانوی

۱۷/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ